اشاعت میراث علمی مکتب اہل بیت

مقدمہ علم رجال شیعہ

زعیم حوزہ علمیہ نجف، فقیہ اصولی؛
آیۃ اللہ السید ابوالقاسم الخوئی

تحقیق و نشر
مرکز اشاعت میراث علمی مکتب اہل بیتؑ

عنوان اصلی .... مقدمہ علم رجال شیعہ

عنوان ذیلی .... شیعہ علم رجال کے قواعد

موضوع .... علم رجال شیعہ امامیہ

مصنف .... زعیم حوزہ علمیہ شیعہ فقیہ اصولی سید ابو القاسم الخوئی رحمۃ اللہ علیہ

تحقیق و نشر .... اشاعت میراث علمی مکتب اہل بیتؑ

سال تحقیق ۲۰۱۱

ہدیہ ۲۵۰

مذکورہ تحقیق وترجمہ میں علامات:

- تخریج اقوال اور احادیث میں کتابوں کی محققہ مشہور طباعتوں کا حوالہ دیا گیا۔
- ترجمہ ایات میں سیاق و سباق کی خاطر ترجمہ کی زائد مقدار کو [ ] میں ذکر کیا ہے۔
- مختلف ابحاث کے معنی کو واضح کرنے کے لیے ذیلی عناوین کو [ ] میں ذکر کیا گیا ہے۔
- مؤلف کے علمی بیانات کی وضاحت کے لیے جابجا حواشی ذکر ہوئے۔

بسم الله الرحمن الرحیم
الحمد لله رب العالمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین
ایاک نعبد وایاک نستعین اهدنا الصراط المستقیم
صراط الذین انعمت علیهم غیر المغضوب علیهم ولا الضالین

فہرست مطالب

اغاز سخن

خدائے کریم و رحیم کے نام سے جس نے انسان کی ہدایت کے لیے الٰہی نمائندہ اور وحیانی کتابوں کی ارزانی فرمائی، اس نے حق و باطل کا فرق رکھنے اور حق و صداقت کے دامن سے متمسک رہنے کی تاکید کی اور جھوٹ وافتراء باندھنے والوں کو ظالم اور ستمگر کے طور پر پیش کیا اور ان سے دوری کی ترغیب دی، اس لیے لازم ہوا کہ دین و مکتب کی تعلیمات کو سچے اور معتمد راویوں کے واسطہ سے لیا جائے اور ضعیف اور غیر معتبر راویوں سے پرہیز کیا جائے، الغرض اسلام کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ اس میں اسلامی تعلیمات اور معارف کو نقل کرنے والوں کی صداقت اور وثاقت کی جانچ کاری ہوتی ہے اور ان معارف کو معتمد افراد کے واسطہ سے لیا جاتا ہے؛ شیخ طوسی نے مکتب شیعہ کا یہ امتیاز قرار دیا کہ انہوں نے ہر دور میں راویوں کی جستجو کی اور ثقہ و معتمد افراد کی توثیق کی اور غیر معتبر افراد کی مذمت اور تضعیف کی ہے۔

اس طرح اس موضوع میں مختلف قسم کی کتابیں لکھیں جن کی تعداد سینکڑوں میں شمار ہوتی ہے، کتابوں میں جامعیت کے اعتبار سے بعض کو خاص مقام حاصل ہے، جن میں مجمع الرجال، نقد رجال، قاموس الرجال، تنقیح المقال اور معجم رجال الحدیث کو شمار کیا جاتا ہے، ان سب میں علم رجال شیعہ کی اصلی کتابوں کے راویوں کی بحثوں کو (معجم) میں عروج و کمال کو پہنچا دیا ہے اور مولف نے گروہ علمی کے تعاون سے نہایت ریزہ کاری سے بھرپور کتاب پیش کی جس پرانے والوں نے اعتماد کیا ہے اور اپنی علمی تحقیقات میں اس کو محور قرار دیا ہے؛

اس لیے لازم تھا کہ اب تک اس کتاب کے تراجم اور تحقیقات پیش ہوتیں مگر ابھی تک یہ کتاب جدید روش تحقیق سے خالی رہی اور اس کے خلاصہ جات اور بعض فہارس کی حد تک

اس سے متعلقہ کاموں کو محدود رکھا گیا، ہم نے علم رجال کی جامع کتابوں کو اپنی زبان میں پیش کرنے کا عزم کیا اور جب فرصت ملی تو اپنی توان و بساط کے مطابق اس عزم کی تکمیل میں چل دیئے، اس نور علم کے چراغ سے دانش کی روشنی حاصل کرنے اور اس ضیاء علم کو نشر عام کرنے کے لیے اس کے ترجمہ اور تحقیق و تخریج کا کام شروع کر دیا۔

خدا سے دعا ہے کہ اس کی تکمیل کی توفیق سے نوازے اور اس کام کو بہتر انداز میں جامہ عافیت سے نوازے اور نوک قلم کو سہو واشتباہات سے بچائے اور اسے میرے لیے ذریعہ نجات اور سعادت قرار دے اور امور دارین میں اسانی کا موجب ہو۔

مدخل کتاب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ، الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على خير خلقه وافضل بريته محمد وعترته الطاهرين، واللعن الدائم على اعدائهم اجمعين الى يوم الدين.

و بعد: خدا کی رحمت کی نیاز رکھنے والا بندہ ؛ابوالقاسم ابن علامہ جلیل حجت سید علی اکبر موسی خوئی[1]، "کہ خدا ان کے اسرار کو مقدس فرمائے اور انہیں اپنے اجداد کرام کے ساتھ محشور فرمائے جو مخلوق پر اس کی حجت اور اس کی وحی و راز کے امین ہیں" ان کا کہنا ہے: بے شک علم رجال ان علوم میں سے ہے جس کے بارے میں ہمارے قدیم علماء اور سابقہ فقہاء نے بڑا

---

[1]۔ مصنف علامہ، محقق، مدقق، آیۃ اللہ العظمی، استاد الفقہاء والاصولیین، زعیم الحوزہ العلمیہ نجف اشرف کا مقام اس سے بہت بلند ہے کہ اسے لکھنے کی ضرورت ہو، ان کے بارے میں یہی کافی ہے کہ ان کے دست شفقت سے پرورش پانے والے علماء ، فقہاء اور اصولیین اور ماہرین رجال و تفسیر اور دیگر اسلامی علوم میں ید طولی رکھنے والے کثیر افراد دنیا کے مختلف علمی مراکز کے موسس اور نشر علوم دینی میں موفق ہیں، ان کی علمی کاوشوں کا تذکرہ بطور اجمال خود اسی کتاب میں انہی کے قلم سے ذکر ہوا ہے اس لیے تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

اہتمام کیا[1] لیکن اخری زمانوں میں اس کا معاملہ یوں مہمل چھوڑ دیا گیا کہ گویا اس پر اجتہاد اور احکام شرعی کا سمجھنا موقوف ہی نہ ہو، اس لیے میں نے اس علم کی خصوصیات پر مشتمل جامع کتاب تالیف کرنے کا عزم وارادہ کرلیا اور اللہ تعالی سے اس کے لیے توفیق طلب کی، پس اس نے اپنے فضل وکرم سے میری دعاء قبول کرلی اور مجھے توفیق بخشی اور اس کی حمد ہے اور شکر ہے کہ جیسا چاہا تھا ویسا تکمیل نصیب ہوئی جبکہ میں بڑھاپے وکمزوری کی عمر اور بہت سی علمی مصروفیات میں تھا اور اگر خدا تعالی کی توفیق اور تائید نہ ہوتی تو ہر گز میرے لیے یہ اسان نہ ہوتا۔ اور اصل مقصد کو شروع کرنے سے پہلے کتاب کی خصوصیات اور چند مقدمات کو ذکر کرنا مناسب ہے: [معجم رجال ا ص ۱۲]

---

[1] ۔ شیخ طوسی نے اپنی کتاب عدۃ الاصول میں گروہ شیعہ کے امتیازات میں شمار کیا کہ انہوں نے کثرت سے راویوں کی توثیق اور ضعیف راویوں کی تشخیص میں کتابیں لکھیں ایک اندازے کے مطابق شیخ کے زمانے تک ۱۵۰ کتابیں تالیف ہو چکی تھی جن کو ماخذ شناشی رجال شیعہ؛ رسول طلائیان طبع دار الحدیث قم میں تفصیل سے ذکر کیا ہے اس طرح اب تک اس علم میں شیعہ نے ۸۰۰ کتب ورسائل تالیف کئے لیکن آخری زمانہ کی جامع کتب میں معجم رجال کا خصوصی مقام ہے جیسا کہ اس کی خصوصیات کو دیکھنے سے معلوم ہے۔

کتاب کی خصوصیات

اس کتاب کی خصوصیات اور بنیادی مزایا جن کی اصل کتاب میں رعایت کرنے کی ضرورت ہے اور بابصیرت مطالعہ کرنے والوں کے لیے ان کا ذکر کیا جاتا ہے:

۱: جو کچھ ہم نے کسی سے نقل کیا تو اسے اصل کتاب سے نقل کیا ہے اور کبھی ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ اس میں نہ پایا جائے یا ہمیں نہ ملا ہو یا ہم نے اس کی طرف رجوع نہ کیا ہو تو ہم اس سے نقل کرنے والے سے اس کے نام کی تصریح کے ساتھ نقل کریں گے اور ہرگز کتب رجال وغیرہ میں اس سے نقل ہونے پر اعتماد کر کے اسے کسی کی طرف نسبت نہیں دیں گے[1] کیونکہ ان میں بکثرت اشتباہات پائے جاتے ہیں جیسا کہ ہمارے علاوہ دوسرے **بعض مصنفین مع الواسطہ** نقل کرنے کی وجہ سے ان اشتباہات کا شکار ہوئے خصوصا متاخرین کی بعض کتابیں اس سے دو چار ہیں[2]۔

---

[1]۔ جیسا کہ معلوم ہے اتنی بڑی کتاب میں کثیر مصادر سے اس شرط کے ساتھ مواد کو جمع کرنے کے لیے بہت زیادہ وقت درکار ہوتا ہے تو شیعہ امامیہ کی حدیث کی بڑی کتاب بحار کی طرح مصنف معجم نے بھی اس کا حل یہ نکالا کہ اپنے لائق اور معتمد شاگردوں کی مدد سے اس کے مراحل کو طے کیا جیسا کہ ان کے گروہ کے افراد کا ذکر موجود ہے اور کامیاب علمی کاموں کے لیے یہ نہایت اہم اور مفید طریقہ ہے۔

[2] جیسا کہ قاموس الرجال میں تنقیح المقال کے ایسے موارد پر کثرت سے نقد کیا ہے۔

۲: کیونکہ رجال ابن عضائری کا نسخہ ہمارے پاس نہیں ہے تو ہم نے جو کچھ اس سے نقل کیا وہ ہم نے علامہ حلی کی کتاب خلاصۃ الاقوال یا ابن داود کی رجال یا مجمع الرجال سے نقل کیا جو مولی عنایۃ اللہ قہپائی نے تالیف کی[1].

۳: ہم نے ہر راوی کے تعارف میں اس سے تمام روایت کرنے والوں اور جن سے اس نے کتب اربعہ میں روایت کی ان سب کو ذکر کیا ہے کبھی ہم دوسری کتابوں میں سے بھی ان کو ذکر کریں گے خصوصیا رجال کشی کہ ہم نے اس کے بھی راوی اور جن سے اس سے روایت کی ان کو بیان کردیا ہے اس سے غالبا مشترک راویوں کی کامل تشخیص و تعیین حاصل ہو گی جیسا کہ ہم نے کتب اربعہ میں اس کی روایات کے موارد کو بھی بیان کیا ہے اور کتاب کی حالت کو ان موارد کی تفصیل سے خراب نہیں ہونے دیا کہ اگر موارد کم تھے تو راوی کے تعارف کے ساتھ ان کو بیان کردیا ورنہ ہر جلد کے اخر میں ان کی تفصیلی فہرست مہیا کی ہے۔

پھر ہم نے اس کتاب میں ہر اس راوی کا ذکر کیا ہے جس کی روایت کتب اربعہ میں ہے چاہے اسے رجال کی کتابوں میں بیان کیا ہو یا نہ [معجم رجال ا ص ۱۳] اور ہم نے سند میں کتب اربعہ کے اختلاف کے موارد کو بھی ذکر کیا اور ان میں صحیح اور تحریف شدہ یا جس میں کچھ حذف ہو چکا ہو ان کو بھی واضح کیا ہے[2]۔

---

[1]۔ رجال ابن عضائری محمد رضا حسینی کی تحقیق سے دار الحدیث قم سے شائع ہوئی اور جیسا کہ بعد میں مصنف ذکر کریں گے کہ اس پر بہت سے علماء متاخرین کو اعتماد نہیں لیکن بعض محققین نے اس کی تحقیق سے نتیجہ نکالا کہ یہ بہت دقیق کتاب ہے جیسا کہ محقق محمد تقی تستری نے قاموس رجال اور محقق حسین ساعدی نے رجال ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور جہاں تک علامہ حلی کی خلاصہ اور ابن داود کی رجال اور مجمع الرجال کا تعلق ہے تو یہ سب چند بار طبع ہوئی ہیں اور ان کے نسخہ علمی کتاب خانوں میں موجود ہیں۔

[2]۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا ایسا کام یا تو کمپوٹر کی مدد سے طویل عرصہ میں ممکن ہو سکتا ہے یا پھر ایک تحقیقی گروہ کی مدد سے کیا جا سکتا ہے اور مصنف نے اپنے تحقیقی گروہ کی مدد سے اس کو بطریق احسن انجام دیا ہے تو جب حوزہ علمیہ میں جلیل القدر فقہاء اور علماء گروہی کام سے نہیں گھبراتے تو چھوٹے پیمانے پر کتب کے تراجم اور نظر ثانی کے لیے کیوں مل کر اقدام نہیں کیا جاتا جس سے ان کی نوعیت اور کیفیت میں بہتری آسکتی ہے اور ان کے محتوی کو محکم کیا جا سکتا ہے۔

۴: ہم نے اس کتاب میں راویوں کے عناوین جو رجال کی کتابوں میں ہیں اور جو روایات میں ذکر ہیں ان کو ذکر کیا ہے اس لیے بعض اوقات ایک راوی کو دو یا چند بار ذکر کیا مثلا ہم نے اس ایک راوی کا عنوان اٹھ بار ذکر کیا: احمد برقی، احمد بن ابی عبد اللہ، احمد بن ابی عبد اللہ برقی، احمد بن محمد برقی، احمد بن محمد بن خالد، احمد بن محمد بن خالد برقی، ابن برقی، برقی[1]، اور ہم ان میں سے ہر عنوان میں ان عنوان سے اس سے روایت کرنے والے اور جن سے اس نے روایت کی ان کو ذکر کریں گے یہ روایات کے حوالہ سے ہے۔

لیکن راویوں کے تعارف کے حوالہ سے ہم اسے صرف ایک عنوان کے ذیل میں صرف ایک بار ہی بیان کریں گے اور وہ غالبا نجاشی کا عنوان ہے اور اس کے ذیل میں دوسرے علماء کے بیانات کو ذکر کریں گے اگرچہ ان کا عنوان کوئی اور ہو جسے ہم اس کی مناسب جگہ پر اس عنوان سے تکرار کریں گے لیکن اس کا تعارف دوبارہ نہیں ہوگا بلکہ اس کے تعارف کی جگہ کی طرف اشارہ کر دیا جائے گا۔

۵: عناوین کو مقدم و مؤخر کرنے میں ہم نے ہر نام اور اوصاف میں حروف تہجی کی ترتیب کا لحاظ کیا ہے حتیٰ کہ باپ و بیٹے کے نام کے حروف کی ترتیب کا خیال رکھا پس ہم نے ابراہیم ابو رافع کو ابراہیم اوسی پر مقدم کیا جیسا کہ ابراہیم بن ہاشم کو ابراہیم جزری پر مقدم کیا۔

۶: ہم نے ہر مورد میں مروی عنھم یعنی جن سے راوی نے روایت کی ان میں ائمہ معصومین کا ذکر پہلے کیا اور اس کے بعد کنیتوں کو بیان کیا پھر حروف تہجی کی ترتیب سے اسماء کو ذکر کیا اس کے بعد القاب پھر مرسلہ روایات پھر مضمر روایات۔ اسی طرح ہم نے راویوں کا ذکر کرتے ہوئے ہم نے کنیتوں کو ذکر کیا پھر اسماء کو ترتیب سے پھر القاب کو بیان کای اور جن

---

[1]۔ جتنا یہ اس کتاب کی خصوصیت شمار ہوتی ہے اتنا ہی اس کتاب میں طول و تفصیل کا سبب بھی بنی ہے اس لیے اگر اس کے تکرار کو حذف کر کے راویوں کو شمار کیا جائے تو وہ بہت زیادہ کم ہو جائیں گے اور یہ کام اس وقت بہت آسان ہو جاتا ہے جب قدرے راویوں کی شناخت کا ذوق و شوق پیدا ہو جائے۔

میں راوی کا ذکر نہیں انہیں مقدم کیا چاہے اس کی وجہ روایت کا مرسلہ ہونا ہے یا روایت کی سند کی ابتداء سے کچھ راوی حذف ہیں یا ابتدائی راوی مشیخہ میں ذکر ہوئے۔

۷: راویں کے حالات کے بارے میں دقت نظری سے کام لیا اور علمی طریقہ سے ان کی وثاقت و صداقت یا ان کی حسن و مدح کی تحقیق کی۔

۸: جب قدماء کی طرف سے راوی کی توثیق پائی جاتی ہو تو ہم نے متاخرین کی توثیقات کو ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے [معجم رجال اص ۱۴] ہاں جہاں قدماء کی طرف سے توثیق نہیں ملی تو وہاں متاخرین کی توثیقات کے درپے ہوئے ہیں اگرچہ ہم متاخرین کی توثیقات پر اعتماد نہیں کرتے لیکن علماء کی ایک جماعت نے ان پر اعتماد کیا ہے تو ان کو ذکر کئے بغیر چارہ نہیں.

۹: جن راویوں کی طرف شیخ صدوق یا شیخ طوسی کی سند ہے تو ہم نے ہر اس راوی کے تعارف میں اس سند کے صحیح یا ضعیف ہونے کا حکم بھی بیان کیا اس کی وجہ ہے یہ کہ کبھی ان کتابوں کی طرف رجوع کرنے والا دیکھتا ہے کہ اس سند میں مذکور تمام راوی ثقہ ہیں تو اس روایت کے صحیح ہونے کا حکم لگا دیتا ہے لیکن وہ اس بات سے غافل ہوتا ہے کہ شیخ صدوق یا شیخ طوسی کی اس راوی کی طرف سند ضعیف ہے اور اس کی وجہ سے روایت ضعیف ہو گی اس کی مثال یہ ہے: شیخ صدوق[1] نے محمد بن مسلم و برید بن معاویۃ کے واسطہ سے امام ابو جعفر وابی عبد اللہ علیہما السلام سے روایت کی فرمایا: «اذا وقع الکسوف اوبعض هذه الایات، فصلها ما لم تتخوف ان یذهب وقت الفریضة ..»؛ جب سورج گرہن یا ان نشانیوں میں سے بعض واقع ہوں تو نماز پڑھو جب تک وقت فریضہ کے چلے جانے کا خوف نہ ہو۔

---

[1]۔ من لایحضرہ الفقیہ ؛اص ۵۴۸ ح ۱۵۲۰۔ وسائل الشیعۃ ۷ ص ۴۹۱ ح ۹۹۳۰۔

اس روایت کو صاحب حدائق اور ان کے بعد انے والوں[1] نے صحیحہ محمد بن مسلم وبرید بن معاویہ سے تعبیر کیا اور اس میں وہ ان دو راویوں کی جلالت و عظمت سے مرعوب ہوئے اور شیخ صدوق کے برید کی طرف مجہول طریق اور محمد بن مسلم کی طرف ضعیف سند سے غفلت برتی تو یہ روایت ضعیف ہے۔

پھر جب اس کتاب میں صحیح یا ضعیف کا لفظ استعمال ہو تو ان سے مراد متاخرین کی اصطلاح میں صحیح و ضعیف مراد نہیں بلکہ اس سے مراد معتبر ہونا یا غیر معتبر ہونا ہے پس جب ہم کہیں : حدیث یا سند صحیح ہے تو اس کا معنی یہ ہے کہ وہ معتبر اور حجت ہے اگرچہ اس کے بعض راوی حسن و ممدوح یا موثق اور غیر امامی ہوں اور اگر ہم کہیں : یہ ضعیف ہے تو اس کا معنی ہے کہ یہ حجت نہیں ہے اگرچہ اس کا سبب یہ ہے کہ اس کے بعض راوی مہمل یا مجہول ہوں۔

۱۰: چونکہ فہرست شیخ طوسی اور رجال شیخ طوسی و رجال ابو عمرو کشی[2] میں نمبر شمار ذکر ہے تو ہم مراجعہ کرنے والوں کی سہولت کے لیے ان نمبروں کو بھی ذکر کریں گے۔

---

[1] ۔یہ روایت مجموعی طور پر بہت سے فقہاء [۵۰ سے زائد] کی علمی کتابوں میں وارد ہوئی ہے اور صاحب حدائق اور ان سے پہلے اور بعد کے بہت سے علماء نے اسے صحیحہ سے تعبیر کیا ہے سب سے پہلے علامہ حلی نے منتہی المطلب ۶ ص ۱۰۸ میں اسے صحیحہ قرار دیا ؛ مجمع الفائدۃ و البرہان مقدس اردبیلی ۲ ص ۴۲۳؛ مدارک الاحکام ۴ ص ۱۲۸ او ۱۴۵؛ ذخیرۃ المعاد ۲ ص ۳۲۴ و ۳۲۶؛ معتصم الشیعۃ فیض کاشانی ا ص ۱۹۳ او ۲ ص ۲۲۲؛ بحار الانوار ۸۸ ص ۱۶۱؛ حدائق ناضرہ ۱۰ ص ۳۰۴ و ۳۰۶، و ۳۰۹ و ۳۱۶؛ شرح الرسالۃ الصلاتیہ محدث بحرانی ص ۱۲۲؛ مصابیح الظلام ۲ ص ۴۸۱ و ۴۸۲؛ مفتاح الکرامۃ ۹ ص ۵۸ طبع محققہ جدیدہ /و ط قدیمہ ۳ق ا ص ۲۲۰؛ ریاض المسائل ؛ غنائم الایام ؛ مستند الشیعۃ؛ جواہر الکلام ۱۱ ص ۴۰۶ و ۴۶۸؛ کتاب الصلاۃ شیخ انصاری ۲ ص ۱۳۸؛ مستمسک العروۃ الوثقی ۷ ص ۵ و ص ۳۰ وغیرہ کثیر۔

مگر بعض نے اسے خبر سے تعبیر کیا ہے جیسے کشف اللثام فاضل ہندی؛ ج ۴ ص ۳۴۷؛ مفتاح الکرامۃ؛ ج ۹ ص ۱۰۲؛ کتاب الصلاۃ؛ ج ۲ ص ۱۳۶؛ موسوعۃ الامام الخوئی؛ ج ۱۶ ص ۱۶ وغیرہ۔

[2] ۔ان کتب کی ان طباعتوں کے نمبر شمار معجم رجال کے نمبروں سے ملتے ہیں : فہرست شیخ طوسی طبع مکتبہ رضویہ نجف اشرف ؛ تحقیق سید محمد صادق آل بحر العلوم ؛ رجال شیخ طوسی طبع جامعہ مدرسین قم ؛ رجال الکشی طبع محققہ دانشگاہ مشہد تحقیق : محمد جواد مصطفوی۔

۱۱: فقیہ، تہذیب اور استبصار[1] کی روایات کے مقام کو ذکر کرتے ہوئے ہم باب کا عنوان، جلد نمبر اور حدیث کا نمبر بیان کریں گے جو ان کتابوں کی جدید طبع میں موجود ہیں [معجم رجال ا ص ۱۵]
لیکن کتاب کافی[2] کی روایات کے مسلسل نمبر سوائے کتاب روضۃ الکافی کے موجود نہیں تو اس میں روایت کا مقام بیان کرتے ہوئے ہم باب کا عنوان، جلد نمبر، باب نمبر، کتاب نمبر، اور اس باب کی حدیث نمبر بیان کریں گے
تو مثال کے طور پر ہم کہیں گے: (کافی: جزء ۲، کتاب ا، باب المؤمن وعلاماتہ وصفاتہ ۹۹، ح ۱۸) یعنی دوسری جلد کی پہلی کتاب کے باب ۹۹ کی حدیث نمبر ۱۸۔اس لیے ہم بعد میں کافی کی ذیلی کتابوں کو بیان کریں گے لیکن روضۃ الکافی کا صرف نمبر لکھیں گے ،اور یہ طریقہ کتاب کے اصلی متن میں ہے لیکن ہر جلد کے اخر میں جو فہرستیں ذکر ہونگی تو ان میں باب کا عنوان ذکر نہیں کریں گے بلکہ ان میں باقی سب چیزوں پر اکتفاء کیا جائے گا۔
۱۲: جب ہم ایک شخص نے جن سے روایت کی اور جن لوگوں نے ان سے روایت کی ان کو بیان کرکے اس کی روایات کے موارد کو معین کرنا چاہیں گے جیسے ابراہیم بن ہاشم کی ابن ابی عمیر سے روایت جسے اس سے اس کے بیٹے علی نے نقل کیا تو پہلے ہم کافی کی جلدوں کی ترتیب سے موارد بیان کریں گے پھر فقیہ کے موارد پھر تہذیب کے مقامات کو بیان کریں گے اور جو کچھ تہذیب کی روایات استبصار میں بھی ہوں تو تہذیب سے بیان کرنے کے بعد استبصار کی طرف اشارہ کریں گے[3]۔ [معجم رجال ا ص ۱۷]

---

[1] ۔ فقیہ، تہذیب واستبصار کی طبع دار الکتب الاسلامیہ تہران مراد ہے۔

[2] ۔ کافی کی مشہور طبع دار الکتب الاسلامیہ تہران مراد ہے۔

[3] ۔ معجم رجال الحدیث کے مؤلف کی سرپرستی میں ایک گروہ کی علمی کاوش ہے اور اسے مختلف علمی مراکز کی طرف سے دعوی تحقیق کے ساتھ شائع کیا گیا لیکن اس کی عملی تخریج اور حوالہ جات پیش نہ ہوسکے اور اس لحاظ سے ایسا قابل قدر کام شائع نہ ہوا نہ اس کے ذیلی عناوین بنائے گئے اور نہ اس کے حوالہ جات کی تخریج کی اس طرح یہ کتاب گروہی کام ہونے کے باوجود دور حاضر کی روش تحقیق کے تقاضوں یکسر خالی رہی خاص طور پر اس کے مقدمہ کی تخریج نہ ہونے کی وجہ سے اس سے

استفادہ کے لیے بہت سی مشکلات پیش آتی ہیں اگرچہ بعض محققین نے اس کی تلخیص «المعین» اور «المفید» وغیرہ عناوین سے شائع کیں جو اپنے باب میں مفید کام تھا۔

مقدمہ اول: [علم رجال کی طرف رجوع ضروری ہونے کا بیان]

ان چند مقدمات کا بیان جن سے علم رجال کی کی طرف رجوع کرنا ضروری ہونے کو سمجھا جاتا ہے۔

اس علم کی ضرورت کے منکرین کی اراء اور نظریات کا نقد اور بطلان۔

کتب اربعہ کے قطعی اور یقینی ہونے کے قائلین کے نظریہ کا بطلان۔ [معجم رجال اص ۱۹]

علم رجال کی ضرورت

چاروں دلیلوں یعنی قران و سنت اور عقل و اجماع سے ثابت ہے کہ ظن و گمان پر عمل کرنا حرام ہے اور جب تک کوئی حکم قطعی اور یقینی دلیل یا جس دلیل پر دلیل قطعی قائم ہو اس سے ثابت نہ ہو جائے اس کی خدا تعالی کی طرف نسبت دینا جائز نہیں ہے [۱]؛ اس لیے قران کریم میں ہے: (اللّٰهُ اذِنَ لَكُمْ امْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُونَ) [۲]. یہ ایت دلالت کرتی ہے کہ ہر وہ چیز جس میں اللہ تعالی کا اذن و اجازت ثابت نہ ہو اس کی خدا کی طرف نسبت دینا اس پر جھوٹ و افتراء باندھنا ہے جیسا کہ انہی چار دلیلوں سے ثابت ہو چکا ہے کہ ظن و گمان تنہا واقع اور حقیقت کو منجز اور ثابت نہیں کر سکتا اور نہ اس حکم کی مخالفت میں عذر کا سبب بن سکتا ہے جو کسی محکم دلیل کے ذریعہ منجز و ثابت ہو چکا ہو اور اس کی دلیل کے لیے یہ یہ ایت کافی ہیں: (وَ لا تَقْفُ ما لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ) [۳]، وقولہ تعالی: (وَ ما يَتَّبِعُ اكْثَرُهُمْ الّا ظَنًّا انَّ الظَّنَّ لا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئا) [۴].

---

۱ ۔ نظریاتی بحثوں میں سب علماء کا اس بات پر اتفاق اور اجماع نظر آتا ہے لیکن عملی میدان میں اس کا لحاظ رکھنا نہایت مشکل ہے بلکہ وہاں عملی طور پر ان کے نظریات کو دیکھنے کی ضرورت ہے۔

۲ ۔ سورہ یونس ۵۹؛ کیا اللہ تعالی نے تمہیں اجازت دی ہے یا پھر تم اس پر جھوٹ و افتراء باندھتے ہو؟

۳ ۔ سورہ اسراء ۳۶: اور اس کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں ہے [کیونکہ کان، آنکھ اور دل ان سب سے بازپرس ہو گی]۔

۴ ۔ سورہ یونس ۳۶: ان میں سے اکثر محض ظن کی پیروی کرتے ہیں جب کہ ظن انسان کو حق (کی ضرورت) سے ذرہ برابر بے نیاز نہیں کرتا۔

اور وہ روایات جو علم و یقین کو چھوڑ کر کسی ظنی و گمانی دلیل پر عمل کرنے سے نہی اور منع کرتی ہیں وہ تعداد اور شمار سے باہر ہیں[۱]؛

صحیح ابی بصیر میں ہے: «قال: قلت لابی عبد الله ع: ترد علینا اشیاء لیس نعرفها فی کتاب الله ولا سنة فننظر فیها؟ فقال: لا، اما انک ان اصبت لم تؤجر، وان اخطات کذبت علی الله»[۲].

راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کی: ہمارے پاس ایسی اشیاء وارد ہوتی ہیں جن کو ہم کتاب خدا اور سنت میں نہیں پاتے تو کیا ہم اس میں غور و فکر کر کے کوئی حکم لگائیں؟

امامؑ نے فرمایا: ہر گز نہیں، اگر تم صحیح نتیجہ نکالو تو بھی تمہیں اجر و ثواب نہیں دیا جائے گا اور اگر خطا کرو تو تم نے خدا تعالی پر جھوٹ بولا[۳]۔

[۱] ۔ ان بے شمار متواتر اور یقین آور روایات کو بہت سے علماء و فقہاء اور محدثین نے نقل کیا لیکن روایات کے معاملہ میں قاعدہ تسامح جیسے قواعد نے بہت وسعت دکھائی ہے۔

[۲] ۔ اصول کافی کتاب العلم ا ص ۵۶ ث محاسن ۲۱۳ ح ۹۰، وسائل الشیعۃ ۲۷ ص ۴۰ ن ۳۳۱۵۶، الوافی ا ص ۲۵۳ ن ۱۹۲، شرح اصول کافی مازندرانی ۲ ص ۳۱۴، شرح اصول کافی ملا صدرا، ۲ ص ۳۰۷۔

[۳] ۔ بظاہر ان آیات اور روایات کے معنی بہت واضح ہیں لیکن جب عملی میدان میں پہنچتے ہیں تو تاویل و توجیہ کا باب بہت وسیع ہو جاتا ہے اور قرائن اور شواہد اپنا کام کر دکھاتے ہیں۔

[منابع احکام کی تحقیق]

[ا۔ عقل کی حجیت کا بیان]

پھر اس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ عقل و شعور انسانی کو شریعت کے احکام کو ثابت کرنے کے لیے کوئی راہ حاصل نہیں کیونکہ یہ شرعی احکام کے جعل و قانون سازی کی واقعی جہات اور اسباب پر احاطہ نہیں رکھتی، ہاں بہت کم موارد میں اس کے لیے ایسا ممکن ہے جہاں عقل حکم شرعی اور دوسرے حکم کے درمیان ملازمہ کو درک کرے جیسے کسی عبادت سے نہی و منع جیسے عیدین کے دن روزہ سے منع ہوا اور اس عبادت کے فاسد و باطل ہونے کے درمیان ملازمہ درک کرتی ہے ؛ثم انه لا ریب فی ان العقل لا طریق له الی اثبات الاحکام الشرعية لعدم احاطته بالجهات الواقعية الداعية الی جعل الاحکام الشرعية. نعم یمکن ذلک فی موارد قلیلة، وهی ادراک العقل الملازمة بین حکم شرعی وحکم اخر، کادراکه[معجم رجال،ص۲۰] الملازمة بین النهی عن عبادة: کالصوم یوم العیدین وفساده.

[۲۔ کتاب خدا کی حجیت کا بیان]

اور خدا تعالی کی کتاب عزیز تو وہ تمام احکام کو بیان کرنے کی کفیل نہیں اور نہ ان عبادات کی تفصیل اور خصوصیات بیان کرتی ہے جن کا ذکر قران میں ہے جیسے نماز، روزہ، حج اور زکات کہ

قران کریم نے ان کے اجزاء و شرائط اور مبطلات کو بیان نہیں کیا؛اما ک العزیز: فھوغیر متکفل ببیان جمیع الاحکام، ولا بخصوصیات ما تکفل ببیانه من العبادات، کالصلاة والصوم والحج والزکاة فلم یتعرض لبیان الاجزاء والشرائط والموانع.

[۳۔اجماعت کی حجیت کا بیان]

جبکہ ایسا اجماع اور علماء کا اتفاق جو امام معصومؑ کے قول کو کشف و اشکار کرے تو وہ نادر الوجود ہے اور ایسا اجماع جو امام معصومؑ کے قول سے کشف نہ کرے تو وہ حجت و دلیل نہیں بن سکتا کیونکہ وہ ظن و گمان غیر معتبر کی حدود سے خارج نہیں ہوا؛ واما الاجماع الکاشف عن قول المعصوم ع: فھونادر الوجود. واما غیر الکاشف عن قوله ع، فھولا یکون حجة لانه غیر خارج عن حدود الظن غیر المعتبر.

[۴۔روایات کی حجیت اور اس کی اہمیت]

نتیجہ یہ ہوا کہ غالبا حکم شرعی کا استنباط کرنا ان روایات پر موقوف ہے جن اہل بیت عصمت و طہارتؑ سے منقول ہیں؛والمتحصل: ان استنباط الحکم الشرعی فی الغالب لا یکون الا من الروایات الماثورة عن اهل بیت العصمة ص.

[روایات سے استدلال کی شرائط]

اور روایات سے کسی حکم شرعی کے ثابت ہونے کے لیے استدلال کرنا پہلے دو چیزوں کو ثابت کرنے پر موقوف ہے :

۱) خبر واحد کی حجیت اور شریعت میں اس کے دلیل ہونے کو ثابت کرنا کیونکہ جب ہم اس کی حجیت اور شرعی دلیل ہونے کو ثابت نہ کر سکیں تو اس وقت احکام شرعی کو ثابت کرنے کے لیے علم و علمی دلیل کے باب کو بند و منسدّ ماننا پڑے گا اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امتثال و اطاعت یقینی کے مرحلہ سے امتثال و اطاعت ظنی کی طرف نیچے ائیں یا اس حالت میں ہر قسم کے ظن و گمان کو حجت مان لیں جیسا کہ بعض علماء اس کے قائل ہوئے ہیں[1]۔

۲) روایات کے ظاہری معنی کو ہمارے لیئے بھی حجیت و شرعی دلیل کے طور پر ثابت کیا جائے کیونکہ اگر ہم کہیں کہ یہ فقط ان لوگوں سے خاص ہیں جن کو سمجھانے کا قصد کیا گیا اور وہ ان روایات میں جو راوی مخاطب واقع ہوئے صرف وہی مراد ہیں تو بھی ان سے کسی حکم کے ثابت ہونے کے لیے استدلال کرنا ممکن نہیں اور اس بات کو ہم نے اپنی اصولی بحثوں میں تفصیل سے بیان کیا ہے[2] لیکن ہم نے ذکر کیا کہ معصومینؑ سے نقل ہونے والی ہر روایت حجت نہیں ہے بلکہ حجت اور شرعی دلیل صرف وہ روایت ہوتی ہے جو ثقہ و معتمد یا حسن و ممدوح راویوں سے نقل ہوئی ہو۔

---

[1] ۔ محقق قمی صاحب قوانین الاصول نے اس نظریہ کی تائید کی۔

[2] ۔ سید خوئی نے کتاب اجود التقریرات کے حواشی میں اس کو بیان کیا اور تفسیر البیان فصل دھم، حجیت ظواہر قرآن میں بھی اس بات کی وضاحت فرمائی اور ان کی اصولی بحثوں کو ان کے بہت سے شاگردوں نے تحریر کیا جیسا کہ الھدایا الی علم الاصول اور مصباح الاصول شہید واعظ بہسودی افغانی نے لکھا، اور سید خوئی نے اپنی فقہ کی بحثوں بھی روایات کی حجیت کا بہت لحاظ کیا ہے۔

واضح سی بات ہے کہ راویوں کی وثاقت و صداقت یا ان کے حسن و مدح کی تشخیص و تعیین صرف علم رجال کی طرف رجوع کر کے اور ان راویوں کے احوال اور ان میں ثقہ و ممدوح کو ضعیف اور غیر معتبر راویوں سے جدا کر کے حاصل ہو سکتی ہے۔
اور یہی صورت حال ہو گی اگر ہم صرف عادل افراد کی روایت کو حجت قرار دیں کہ کسی راوی کی عدالت یا قابل اعتماد ہونے کا یقین صرف علم رجال کی طرف رجوع کر کے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

[حجیت شہرت کے قائلین بھی علم رجال کے منکرین نہیں ہو سکتے]

بلکہ راوی کے حالات کو جاننے کی ضرورت اس وقت بھی رہتی ہے اگر ہم خبر واحد کو حجت نہ مانیں [معجم رجال ا ص ۲۱]، یا ہم کہیں کہ راویات کے ظاہری معنی صرف ان افراد کے لیے حجت ہیں جن کو سمجھانے کا قصد و ارادہ کیا گیا تو ظن و گمان انسدادی کو حجت و شرعی دلیل ماننا پڑے گا یا امتثال ظنی کے مرتبہ کی طرف نیچے انا ہو گا تو بھی علماء رجال کے کسی روایت کے راویوں کو ثقہ و معتمد قرار دینے کا اس روایت کے صادر ہونے کے گمان حاصل ہونے میں دخیل ہونا قابل انکار نہیں ہے۔
اور اس کے بعد بہت عجیب و غریب ہے کہ بعض متاخرین نے علم رجال کی ضرورت کو اس توہم و خیال کی وجہ سے انکار کر دیا کہ ہر وہ روایت جس پر مشہور علماء نے عمل کیا اور اس کے مطابق فتوی دیا ہے کہ وہ حجت اور شرعی دلیل بن سکتی ہے اور ہر وہ روایت جس پر مشہور علماء

نے عمل نہیں کیا وہ حجت نہیں ہے چاہے اس کے تمام راوی ثقہ اور معتمد ہوں یا ضعیف اور غیر معتمد ہوں[۱]۔

حالانکہ اگراس قانون کو تسلیم کر بھی لیا جائے جبکہ یہ قابل قبول نہیں ہے اس کے باطل اور فاسد ہونے کو ہم نے علم اصول کی بحثوں میں واضح کر دیا ہے، تو بھی علم رجال کی ضرورت اپنی قدر و منزلت پر باقی رہتی ہے کیونکہ :

۱) ہمارے پاس کچھ ایسے مسائل ہیں جن میں مشہور علماء کے فتاوی اور نظریات کو جاننے کے لیے ہمارے پاس کوئی راہ اور چارہ نہیں ہے کیونکہ ان مسائل کو انہوں نے اپنی بحثوں میں ذکر ہی نہیں کیا۔

۲) اور کچھ ایسے مسائل ہیں جن میں موافق اور مخالف کسی ایک طرف شہرت ہی حاصل نہیں بلکہ دونوں طرف برابر نظریات موجود ہیں یا ان دونوں طرفوں میں سے ایک طرف زیادہ مشہور ہے۔

۳) اور فقہ کا ہر مسئلہ ایسا نہیں کہ ان میں دو یا چند اقوال میں سے ایک قول مشہور ہو اور اس کے مد مقابل اقوال شاذ ہوں۔

بلکہ علم رجال کی ضرورت بدستور رہتی ہے حتی اگر ہم کہیں کہ کتب اربعہ کی روایات قطعی اور یقینی طور پر صادر ہوئی ہیں کیونکہ احکام شرعی کی دلیلیں صرف کتب اربعہ میں منحصر نہیں تو دوسری کتابوں میں موجود کثیر روایات میں حجت کو غیر حجت روایات سے تشخیص دینے کے لیے ہمیں علم رجال کی ضرورت رہتی ہے اور ضروری ہے کہ ہم اس قول پر بعد میں کسی مناسب مقام پر قدرے تفصیل سے بحث کریں۔ [معجم رجال ا ص ۲۲]

---

[۱] ۔ علم رجال کے کلیات اور قوانین سے متعلقہ کتابوں میں ان نظریات کے قائلین اور ان کی ادلہ کی تحقیق کی گئی ہے فقہ کی بڑی جامع کتابوں میں بہت سی کتب میں انہی نظریات کا عکس نظر آتا ہے جیسے ریاض المسائل، جواہر وغیرہ۔

کتب اربعہ کی روایات کے قطعی و یقینی الصدور نہ ہونے کا بیان

محدثین کا ایک گروہ کتب اربعہ کی روایات کو قطعی اور یقین الصدور سمجھتا ہے حالانکہ یہ نظریہ سرے سے باطل اور فاسد ہے کیونکہ ان کی ایسی روایات کے یقینی طور پر صادر ہونے کا دعوی کرنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے جنہیں ایک راوی سے دوسرے نے نقل کیا؟ خصوصاجب کہ کتب اربعہ کے راویوں میں ایسے راوی بھی موجود ہیں جو کذب و افتراء اور جعل و وضع روایات میں معروف اور مشہور ہیں[1] جیسا کہ عنقریب تم ان کے موارد میں ان کو جان لو گے ان شاء اللہ۔

اور یہ دعوی کرنا کہ کتب اربعہ کی روایات میں وہ خاص طور پر سچائی اور صداقت پر گامزن ہیں کیونکہ اس بات پر بہت سے قرائن دلالت کرتے ہیں تو یہ دعوی بے بنیاد ہے کیونکہ اس کی کوئی دلیل اور برہان نہیں ہے کہ انہوں نے اس مقام پر جو کچھ ذکر کیااور دعوی کیا کہ یہ قرائن ہیں جو ان روایات کے معصومینؑ سے صادر ہونے پر ہماری رہنمائی کرتے ہیں تو ان میں سے کوئی چیز بھی نتیجہ خیز نہیں ہے۔

[اصحاب ائمہؑ کے اہتمام سے استدلال کا جواب]

اس بارے میں جو کچھ اچھی بات کہی گئی ہے وہ یہ ہے کہ ائمہ معصومینؑ کے اصحاب اور ان حدیث کی اصول اور کتابیں لکھنے نے حدیث کے معاملہ میں تین محمد [شیخ کلینی، صدوق اور طوسی] کے زمانے تک بہت اہتمام کیا اس سے سمجھ میں اتا ہے کہ جن روایات کو انہیں نے اپنی کتابوں میں لکھا وہ سب ائمہ معصومینؑ سے صادر ہوئی ہیں کیونکہ ان کا سابقہ اہتمام عادۃً ان

---

[1] ۔ان راویوں کے اسماء معروف ہیں اور کتب رجال میں تفصیل سے مذکور ہیں لیکن ان سب کے باوجود کتب اربعہ کی روایات کے معتبر ہونے کا دعوی نہایت عجیب ہے جیسا کہ سید نے بیان فرمایا جیسا کہ ان کتابوں کی شرح لکھنے والوں میں سے بعض نے خود انہیں ضعیف و غیر معتبر لکھنے کے باوجود مقدمات میں سب کے معتبر ہونے کا حکم لگا دیا۔

تمام روایات کے صحیح ہونے اور ان کے ائمہ معصومینؑ سے صادر ہونے کے علم و یقین کا موجب بنتا ہے جن کو انہوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔

لیکن یہ دعوی کئی جہات سے قابل قبول نہیں ہے کیونکہ :

۱) اولا تو ائمہ معصومینؑ کے اصحاب نے اگرچہ اپنی پوری کوشش کی اور حدیث کے معاملہ میں اہتمام کیا اور ان کو ضائع ہونے اور نابود ہونے سے محفوظ رکھا جیسا کہ انہیں ائمہ معصومینؑ نے حکم دیا تھا مگر وہ لوگ تقیہ اور سخت حالات میں زندگی گزار رہے تھے اور وہ واضح طور پر احادیث کی نشر و اشاعت نہیں کر سکتے تھے تو کس طرح یہ روایات تواتر کی حد یا اس کے قریب حدود تک پہنچ سکتی ہیں !

یہ ابن ابی عمیر نہیں جنہیں [معجم رجال ص ۲۳] ہارون رشید کے زمانہ میں قید کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ وہ شیعہ کے مقامات اور امام موسی کاظمؑ کے اصحاب کی نشاندہی کریں اور ان کی بہن نے ان کی کتابوں کو دفن کر دیا تھا جب وہ قید میں تھے اور وہ کتابیں ضائع ہو گئیں یا خود ابن ابی عمیر نے اپنی کتابوں کو اپنے کمرے میں رکھا تھا اور ان پر بارش کا پانی پڑا اور وہ سب ضائع ہو گئیں[1]۔ اسی طرح دوسرے اصحاب کے حالات سے بھی واضح ہے کہ وہ جس شدت اور سختی میں تھے اور واضح طور پر احادیث کی نشر و اشاعت نہیں کر سکتے تھے اس میں کوئی باشعور انسان انکار نہیں کر سکتا پھر اس کے باوجود ان سب کے قطعی اور یقینی ہونے کا دعوی کیسے ممکن ہے؟؟

---

[1] ۔ رجال نجاشی ص ۳۲۶ مجمع الرجال قہپائی ۵ ص ۱۱۷-۱۲۷؛ اور اس میں ان کے تاجر و مالدار ہونے کا ذکر ہے.

[بعض ارباب اصول و کتب کا ثقہ نہ ہونا اور شیخ طوسی کا ماہ رمضان کے تیس دن ہونے کی روایت پر تبصرہ]

۲) ثانیا اگر ہم مان لیں کہ ان کا یہ اہتمام علم و یقین کا سبب ہے تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہ علم و یقین حاصل ہوتا ہے کہ یہ اصول اور کتابیں ان کے مولفین سے صادر ہیں پس ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ خود یہ کتابیں متواتر ہیں لیکن اس سب کے باوجود ہمیں یہ علم و یقین تو نہیں ہوتا کہ ان کی تمام روایات ائمہ معصومین سے صادر ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ان حدیث کی اصول اور کتابوں کے تمام لکھنے والے ثقہ و معتمد اور عادل نہیں تو ان میں کذب و افتراء کا احتمال پایا جاتا ہے اور جب کسی اصل کا مشلف ایسا ہو کہ اس کے بارے میں کذب و افتراء کا احتمال نہ ہو تو اس کے بارے میں سہو و نسیان اور اشتباہ اور خطا کا احتمال پایا جاتا ہے؛ یہ حذیفہ بن منصور ہے اس سے شیخ طوسی نے کئی سندوں سے روایت کی ہے ان میں سے ایک ہے کہ شیخ نے اپنی معتبر سندوں سے محمد بن ابی عمیر کے واسطہ سے خود حذیفہ سے یہ روایت نقل کی: ماہ رمضان تیس دنوں سے کم نہیں ہوتا؛ ان شهر رمضان لا ينقص عن ثلاثين يوما[1].

پھر فرمایا: اس روایت پر کئی جہات سے عمل کرنا صحیح نہیں ہے ان میں سے ایک وجہ یہ ہے ک ہ اس روایت کا متن تصنیف شدہ اصول میں سے کسی میں نہیں پایا جاتا بلکہ یہ تو شاذ روایات میں

---

[1] - کافی ۴ص ۸۷و/۷ ص ۱۴۴ح ۶۳۰۳؛ الفقیہ، ج ۲، ص ۱۶۹، ح ۲۰۴۰؛ تہذیب، ج ۴، ص ۱۶۸، ح ۴۷۹؛ و ص ۱۷۰، ذیل ح ۴۸۲؛ الاستبصار، ج ۲، ص ۶۵، ح ۲۱۳؛ و ص ۶۷، ذیل ح ۲۱۵، ان سب کو محمّد بن سنان سے معلقا نقل کیا. الخصال، ص ۵۳۰، ابواب الثلاثین و مافوقہ، ح ۵، دوسری سند سے رضا علیہ السلام سے نقل کیا کچھ اختلاف اور اضافہ کے ساتھ ؛ رجوع ہو تہذیب الاحکام، ج ۴، ص ۱۷۱، ح ۴۸۴؛ الاستبصار، ج ۲، ص ۶۸، ح ۲۱۷؛ الخصال، ص ۵۳۰، ابواب الثلاثین ومافوقہ، ح ۸؛ الوافی، ج ۱۱، ص ۱۳۹، ح ۱۰۵۶۷؛ الوسائل، ج ۱۰، ص ۲۶۹، ذیل ح ۱۳۳۹۴.

موجود ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ حذیفہ بن منصور کی کتاب اس حدیث سے خالی ہے جبکہ ان کی کتاب معروف اور مشہور ہے پس اگر یہ حدیث اس راوی سے صحیح ہوتی تو ان خود ان کی کتاب میں پائی جاتی[1]۔

پس ہم نے دیکھا کہ شیخ طوسی اس حدیث کے حذیفہ سے صحیح ہونے میں اشکال کرتے ہیں حالانکہ اس سے یہ روایت کرنے والوں میں ابن ابی عمیر بھی ہے اور شیخ طوسی نے ابن ابی عمیر سے کئی معتبر سندوں سے نقل کی اور اس کا واحد سبب یہی ہے کہ اس کے راویوں سے سہو و نسیان اور اشتباہ اور غلطی ہوئی ہے ، پس جب ایسی روایات کے صحیح ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا تو ان روایات کا کیا حال ہوگا جن کو ضعیف اور غیر معتمد یا مجہول الحال راویوں نے نقل کیا ہے ؟ [معجم رجال ۱ ص ۲۴]

[صاحبان اصول کے ثقہ ہونے سے ان کتابوں کے تمام راویوں کی ضمانت نہیں ہوتی]

۳) ثالثاً اگر ہم تسلیم کرلیں کہ کتاب یا اصل کا مولف جھوٹ نہیں بولتا اور اسے اشتباہ بھی نہیں ہوا تو ممکن ہے کہ جس نے اس سے اس کی کتاب نقل کی اس نے اس کو نقل کرتے وقت جھوٹ بول دیا ہو یا اس سے اشتباہ ہوگیا ہو۔ اسی لئے شیخ طوسی نے عدۃ الاصول میں خبر واحد کے حجت ہونے میں بحث کرتے ہوئے فرمایا:

اس بات کی دلیل یہ ہے کہ گروہ برحق شیعہ ان روایات پر عمل کرنے میں اتفاق اور اجماع رکھتے ہیں جن کو انہوں نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے اور ان کو اپنی اصول حدیث میں

---

[1] ۔ تہذیب الاحکام ۴ ص ۱۶۸ ن ۶۸۲ ؛ الاستبصار فیما اختلف من الاخبار ۲ ص ۶۵ ن ۲۱۵ ؛ «وهذا الخبر لا يصح العمل به من وجوه: أحدها أن متن هذا الحديث لا يوجد في شيء من الأصول المصنفة، وإنما هوموجود في الشواذ من الأخبار. ومنها: أن كتاب حذيفة بن منصور عرى منه، والكتاب معروف مشهور، ولوكان هذا الحديث صحيحا عنه لضمنه كتابه»

تحریر کیا ہے اس میں وہ کچھ بھی انکار و اعتراض نہیں کرتے یہاں تک کہ جب ان میں کوئی فتوی دیتا ہے جسے وہ نہیں جانتے تو اس سے پوچھتے ہیں کہ یہ اپ نے کہاں سے کہا؟ پس جب وہ انہیں کسی معروف و مشہور کتاب یا کسی مشہور اصل کا حوالہ دے اور اس کا راوی ثقہ اور معتمد ہو جس کی حدیث کا انکار نہ کیا جاتا ہو تو وہ خاموش ہو جاتے ہیں اور اس کا فتوی قبول کر لیتے ہیں اور اس کے نظریہ کو تسلیم کرتے ہیں[1]۔

پس اس کلام کی دلالت اس بات پر دلالت واضح ہے کہ مشہور کتابوں اور معروف اصول حدیث کی روایات قطعی و یقینی الصدور نہیں اور ان کا قبول کرنا اس شرط کے تحت ہے کہ ان کے راوی ثقہ اور معتمد ہوں اور اسی شرط کے ساتھ ان کی حجیت پر اجماع اور شیعہ امامیہ کا اتفاق ہے

[اصول و کتب کے مشہور ہونے سے ان کے تمام نسخوں کی ضمانت نہیں ہوتی]

۴) رابعا اگر تسلیم کر لیا جائے کہ اصول حدیث اور معتبر کتابیں مشہور اور معروف تھیں مگر یہ ان کی شہرت بطور اجمال ہے ورنہ واضح سی بات ہے کہ ان کا ہر نسخہ معروف و مشہور نہیں تھا اور ان کو کسی ایک راوی نے دوسرے سے پڑھ کر یا سن کر یا اس کی روایت کے اجازہ کے ساتھ اس سے لیکر اسے نقل کیا تو تین محمد [شیخ کلینی و صدوق اور شیخ طوسی] تک جو ان کے نسخے پہنچے وہ واحد سند سے پہنچے اس لیے تم دیکھتے ہو کہ شیخ صدوق نے اپنی کتاب "من لا یحضرہ الفقیہ کے خطبہ کے بعد فرمایا:

---

[1] -عدۃ الاصول ا ص ۱۲۶ ط محققہ ؛ والذی یدل علی ذلک: إجماع الفرقة المحقة علی العمل بهذه الأخبار التی رووها فی تصانیفهم ودونوها فی أصولهم لا یتناکرون ذلک، ولا یتدافعونه حتی أن واحدا منهم إذا أفتی بشیء لا یعرفونه سألوه من أین قلت هذا؟ فإذا أحالهم إلی کتاب معروف أوأصل مشهور، وکان راویه ثقة لا ینکر حدیثه سکتوا، وسلموا الأمر فی ذلک وقبلوا قوله.

جو کچھ میں نے اس کتاب میں ذکر کیا وہ مشہور و معروف کتابوں سے منقول ہے اور پھر ان کتابوں کی طرف اپنی سندوں کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا اور کہا: اور میری ان کتابوں کی طرف سندیں ان کتابوں کی فہرستوں میں مشہور و معروف ہیں کہ انہیں میں نے اپنے مشائخ اور اسلاف سے نقل کیا[1]

پس اس کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے ایک فہرست تالیف کی جس میں ان کتابوں کی طرف اپنی سندوں کو لکھا جن کو انہوں نے اپنے مشائخ و اسلاف سے نقل کیا تھا تو وہ ان کتابوں کو اس فہرست میں معروف سندوں کے ساتھ نقل کرتے ہیں لیکن وہ کتاب ہم تک نہیں پہنچی ، [معجم رجال/۱ص۲۵] تو ہم ان کی سندوں میں سے صرف وہی جانتے ہیں جن کو انہوں نے اپنی کتاب کے اخر میں مشیخہ کے عنوان سے ذکر کیا اور اس سے جن راویوں سے نقل کیا ہے ان کی طرف اپنی سندیں ذکر کی ہیں لیکن ان کی صاحبان کتب کی طرف سندیں ہمارے نزدیک مجہول ہیں اور ہمیں معلوم نہیں کہ ان میں سے کونسی صحیح اور معتبر ہے اور کونسی غیر معتبر ہے تو اس کے باوجود کیسے ممکن ہے کہ ان تمام روایات کے ائمہ معصومین سے صادر ہونے کے علم و یقین کا دعوی کر دیں ؟ بہر حال کتب اربعہ کی تمام روایات کے ائمہ معصومین سے صادر ہونے کے علم و یقین کا دعوی کرنا واضح طور پر باطل اور فاسد ہے۔

۵) اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ خود ان چار کتابوں کو لکھنے والے اس بات کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے ؛

---

[1] ۔ من لایحضرہ الفقیہ؛۱ص۳-۴: «جميع ما أورده فيه مستخرج من كتب مشهورة معروفة ...طرقي إليها معروفة في فهرس الكتب التي رويتها عن مشايخي وأسلافي رضي الله عنهم». یاد رہے یہ عبارت جامع فقہ اہل البیت /۲ میں ۵۰ بار مختلف فقہاء اور اصولیوں بلکہ بعض محدثین کے کلام میں وارد ہوئی اور انہوں نے مختلف انداز میں اس سے استفادہ کیا ہے ، غور کریں۔

[مقدمہ کافی سے اقتباس]

یہ محمد بن یعقوب - قدس اللہ تعالی سرہ - ہیں ان کا بیان ہے :
ان سے ایسی جامع و کافی کتاب لکھنے کی درخواست کی گئی جو تمام دینی علوم و فنون پر مشتمل ہو جس پر متعلّم اکتفاء کر سکے اور رشد و ہدایت کا طلبگار اس کی طرف رجوع کرے اور جو شخص دین کا حاصل کرنا چاہتا ہے اور صادقین سے منقول صحیح اثار پر عمل کرنا چاہتا ہے ان سے خوشہ چینی کرے ؛اس بات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا: جان لو، اے بھائی ! خدا تمہیں ہدایت دے کوئی شخص ان روایات کی اپنی رائے سے تشخیص و تعیین کی طاقت نہیں رکھتا جن میں علماء معصومینؑ سے مختلف روایات وارد ہوئی ہیں مگر جس طرح معصوم عالم نے اس فرمان میں رہنمائی کی : ان روایات کو کتاب خدا پر پیش کرو تو ان میں سے کتاب خدا کے مطابق ہوں انہیں لے لو اور جو کتاب خدا کے مخالف ہوں انہیں ردّ کر دو اور ان کا فرمان ہے : جو ان لوگو کے مطابق ہوں انہیں چھوڑ دو کہ رشد و ہدایت ان کے خلاف ہے اور ان کا فرمان ہے : جس روایت پر اتفاق ہو اسے لے لو کہ متفق علیہ روایت میں شک نہیں ہوتا اور ہم ان سب میں سے بہت کم جانتے ہیں اور اس معاملہ میں اس سے زیادہ با احتیاط اور باب وسیع نہیں جانتے کہ ان سب کا علم معصوم عالم کی طرف پلٹا دیں اور امام معصوم نے اپنے اس فرمان میں جن کے قبول کرنے کی اجازت دی ان کو قبول کرلیں؛ ان میں جس کو بھی تسلیم و رضا کے عنوان سے لے لو تمہیں اجازت ہے پس اللہ تعالی نے توفیق دی اور اس کی حمد ہے کہ جو تو نے درخواست کی وہ کتاب لکھ دی اور امید کرتا ہوں کہ ویسی ہو جیسی تم نے چاہی[1].

---

[1] - الکافی ا ص ۸؛ «فاعلم يا أخي أرشدك الله أنه لا يسع أحدا تمييز شيء مما اختلف الرواية فيه عن العلماء - ع - برأيه إلا على ما أطلقه العالم بقوله ع:اعرضوها على كتاب الله فما وافق كتاب الله عز وجل فخذوه، وما خالف كتاب الله فردوه. وقوله: دعوا ما وافق القوم فإن الرشد في خلافهم. وقوله

اس کلام سے واضح ہے کہ شیخ محمد بن یعقوب اپنی کتاب کی تمام روایات کے یقینی طور پر معصومینؑ سے صادر ہونے کا عقیدہ نہیں رکھتے تھے ورنہ انہیں اس روایت سے گواہ پیش کرنے کی ضرورت نہ ہوتی کہ اختلاف رکھنے والی روایات میں سے مشہور کو لے لو کہ یہ ان دونوں کے صادر ہونے کے یقین کے ساتھ سازگار نہیں ہے [معجم رجال ا ص ۲۶]، کہ شہرت اس روایت کی دوسری روایات سے تشخیص کے لیے ترجیح کا سبب ہے جو صادر ہوئی تو جب دونوں کے صادر ہونے کا یقین ہو تو شہرت کے ساتھ ترجیح دینے کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

[مقدمہ من لایحضرہ الفقیہ سے اقتباس]

اور شیخ صدوق- قدس سرہ- نے اپنی کتاب کے خطبہ میں فرمایا:
میں اس میں مصنفین کے طریقہ سے ان سب روایات کو جمع نہیں کرنا چاہتے جن کو روایت کرتے ہیں نقل کر دیتے ہیں بلکہ میں چاہتا ہوں صرف وہ روایات ذکر کروں جن کے مطابق میں فتوی دیتا ہوں اور جن کے صحیح اور معتبر ہونے کا حکم لگاتا ہوں اور عقیدہ رکھتا ہوں کہ وہ میرے درمیان اور میرے ربّ کے درمیان حجت ہیں[1]۔

ع: خذوا بالمجمع عليه، فإن المجمع عليه لا ريب فيه.ونحن لا نعرف من جميع ذلک إلا أقله، ولا نجد شيئا أحوط ولا أوسع من رد علم ذلک كله إلى العالم ع، وقبول ما وسع من الأمر فيه بقوله: بأيما أخذتم من باب التسليم وسعكم.وقد يسر الله- ولله الحمد- تأليف ما سألت، وأرجوأن يكون بحيث توخيت»- بہت سے علماء اصول و حدیث نے اس عبارت سے مختلف استفادے کئے ہیں اور کافی کی بہت سی شروحات میں اس کے ذیل میں افراط و تفریط پایا جاتا ہے ملاحظہ ہو۔

[1] -من لایحضرہ الفقیہ ا ص ۲-۳: «ولم أقصد فيه قصد المصنفين من إيراد جميع ما رووه، بل قصدت إلى إيراد ما أفتى به وأحكم بصحته وأعتقد أنه حجة فيما بيني وبين ربى».

پس اس کلام سے ظاہر ہے کہ شیخ صدوق کے عقیدہ میں کتاب کافی صحیح اور غیر صحیح ہر قسم کی روایات پر مشتمل ہے جیسے دوسری حدیث کی کتابیں لکھی گئیں تو کیسے ممکن ہے کہ دعوی کیا جائے کہ اس کی تمام روایات قطعی اور یقینی الصدوق ہیں؟.

[اگر تمام کافی شیخ صدوق کے نزدیک صحیح ہوتی تو کتاب فقیہ کی کیا ضرورت تھی؟]

اور یہ بھی کہ شیخ صدوق نے اپنی کتاب من لایحضرہ الفقیہ کو سید شریف ابو عبداللہ معروف (نعمۃ اللہ) کے درخواست پر تالیف کیا کہ اس نے شیخ صدوق سے درخواست کی کہ فقہ میں ایسی کتاب لکھیں جس کی طرف وہ رجوع کر سکے اور اس پر اعتماد کر سکے اور وہ اپنے موضوع میں شافی اور کامل ہو جیسے محمد بن زکریا رازی نے کتاب: من لایحضرہ الطبیب کے عنوان سے کتاب لکھی.

اس میں شک و شبہ نہیں کہ کتاب کافی، کتاب من لایحضرہ الفقیہ کی نسبت بہت وسیع اور جامع ہے پس اگر کافی کی تمام روایات شیخ صدوق کے نزدیک صحیح و معتبر ہوتیں چہ جائیکہ وہ ان کے قعطی الصدور ہونے کا عقیدہ رکھتے ہوں تو انہیں کتاب: من لایحضرہ الفقیہ کی ضرورت ہی کیا تھی بلکہ شیخ صدوق اس سید شریف کو کتاب کافی کا حوالہ دے دیتے اور کہہ دیتے: بے شک کافی اپنے موضوع میں اسی طرح ہے جیسے کتاب من لایحضرہ الطبیب اپنے موضوع میں کافی اور شافی ہے۔

اور یہ بات اس سے بھی واضح ہوتی ہے کہ شیخ صدوق نے باب الوصی یمنع الوارث [جس کے لیے وصیت کی گئی ہو وہ میراث پانے والے کے لیے مانع بنتا ہے] میں لکھا: میں نے یہ حدیث صرف محمد بن یعقوب کلینی کی کتاب میں پائی اور اسے میں نے صرف ان کی سند سے نقل کیا[1]،

---

[1] - من لایحضرہ الفقیہ ۴ص ۲۲۳: «ما وجدت هذا الحديث إلا في كتاب محمد بن يعقوب، ولا رويته إلا من طريقه»

پس اگر کافی کی تمام روایات یقینی الصدور ہوتیں تو شیخ صدوق کیلئے ایسی بات کرنا کیسے صحیح ہوتا.

[شیخ صدوق کے اپنی کتاب کی روایات کے صحیح ہونے کی گواہی کا جواب]

یہاں ایک چیز باقی رہ جاتی ہے کہ کبھی توہم و خیال کیا جاتا ہے کہ شیخ صدوق نے اپنی کتاب کی تمام روایات کے صحیح ہونے کی گواہی دی [معجم رجال اص ۲۷] یہ ان کی گواہی ہے کہ اس کتاب کی تمام روایات معصومینؑ سے صادر ہوئی ہیں کیونکہ قدیم علماء کے نزدیک صحیح وہ حدیث ہوتی تھی جس کے معصومؑ سے صادر ہونے کا علم و یقین ہوتا پس شیخ صدوق اگرچہ کافی کی تمام روایات کو صحیح نہیں سمجھتے لیکن وہ اپنی کتاب کی تمام روایات کے صحیح و معتبر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔

لیکن یہ محض ایک توہم اور خیال ہے کیونکہ شیخ صدوق نے صحیح سے مراد وہ روایات لیں جن کو وہ اپنے درمیان اور اپنے ربّ کے درمیان حجت سمجھتے ہیں یعنی جن کے معصوم سے صادر ہونے کا اطمئنان رکھتے ہیں اگرچہ وہ تعبد و شرعی دلیل کے تحت ہو ہر گز ان کی مراد قطعی اور یقینی صادر ہونے والی روایات نہیں کہ جن میں جھوٹ یا غلطی کا امکان نہیں ہوتا، جیسا کہ کتب اربعہ کی تمام روایات کے صحیح و معتبر ہونے یا نہ ہونے کی بحث میں ائے گا کہ وہ تصریح کرتے ہیں کہ وہ صحیح یا غیر صحیح میں اپنے استاد ابن ولید کی پیروی کرتے ہیں پس جن کو اس نے صحیح قرار دیا ان کو صحیح مانتے ہیں اور جن کو انہوں نے غیر صحیح قرار دیا ان کو وہ بھی غیر معتبر سمجھتے ہیں تو کیا یہ کہنا ممکن ہے کہ وہ ان روایات کے صادر ہونے یا نہ ہونے کی یقین میں ان کی پیروی کرتے ہیں ؟ پس جن کے صادر ہونے کا یقین ابن ولید کو ہے ان کو شیخ صدوق بھی قطعی سمجھتے ہیں ورنہ نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ شیخ صدوق سے صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی کتاب کی تمام روایات کے حجت ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں لیکن یہ عقیدہ وہ کافی وغیرہ دیگر کتب حدیث کے بارے میں نہیں رکھتے۔

[شیخ طوسی پوری تہذیبین کو خود بھی صحیح نہیں سمجھتے]

جہاں تک شیخ طوسی کا تعلق ہے تو اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ وہ اپنی دونوں کتابوں کی تمام روایات کے صحیح ہونے کا ہر گز عقیدہ نہیں رکھتے اور نہ ہی معصومین سے نقل ہونے والی دیگر کتب اور اصول حدیث کے صحیح ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں اس لیے انہوں نے اپنی کتابوں کے اخر امیں ان کتابوں کے مولفین کی طرف اپنی سندیں لکھیں جن سے انہوں نے اپنی کتاب میں نقل کیا تاکہ اس طرح وہ روایات مرسل و نے سند ہونے سے نکل کر مسند ہو جائیں پس یہ کلام صراحت رکھتا ہے کہ جو کچھ انہوں نے اپنی کتاب میں نقل کیا وہ خبر واحد ہیں ان میں سچ و جھوٹ کا احتمال پایا جاتا ہے پس اگر ان کتابوں کی طرف سند معلوم ہو تو وہ روایت مسند ہوگی ورنہ وہ مرسل اور بے سند ہوگی اور اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔

دوسرے لفظوں میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیخ نے سندوں کو اس لیے ذکر کیا ہے تاکہ ان کی کتاب کی روایات مرسلہ اور بے سند ہونے کی وجہ سے مقام حجیت سے گر نہ جائیں پس اگر وہ روایات قطعی اور یقینی ہوتیں اور سندوں کو ذکر کرنا محض تیمن اور تبرک کے لیے ہوتا تو ہر گز ایسا نہ ہوتا حالانکہ یہ شیخ طوسی کی تصریح کے خلاف ہے[معجم رجال ا ص ۲۸]، بلکہ شیخ طوسی کا یہ بیان بھی گزر چکا ہے کہ مشہور اور معروف کتابوں کی روایات پر اس شرط پر عمل جائز ہے کہ ان کے راوی ثقہ اور معتمد ہوں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ان کتابوں کی تمام روایات کو صحیح نہیں سمجھتے تھے چہ جائیکہ ان سب کو قطعی الصدور سمجھیں۔

---

[1] ۔ تہذیب الاحکام ج ۱۰ ص ۳۱۶ کے بعد تقریبا سو صفحہ مشیخہ تہذیب پر مشتمل ہے؛ الاستبصار ۴ ص ۳۰۴ - ۳۴۳۔

[شیخ طوسی کے کافی و فقیہ کی روایات میں اشکال کے موارد]

اور یہ بھی ہے کہ شیخ طوسی نے کئی موارد میں اپنی کتاب میں اس روایت کے صحیح ہونے میں اشکال کیا جسے انہوں نے کافی سے نقل کیا یا انہوں نے اس سے نقل ہی نہیں کیا لیکن وہ کافی میں موجود ہے یا پھر کافی اور فقیہ دونوں میں ہے پھر بھی شیخ اس کے ضعیف اور غیر معتبر ہونے کا حکم لگاتے ہیں پس اگر وہ سب روایات صحیح اور معصومینؑ سے قطعی اور یقینی ہوتیں تو شیخ طوسی کیلئے کیسے جائز ہوتا کہ وہ ان کی سند ضعیف ہونے کی وجہ سے ان میں اشکال کریں ؛
ان موارد میں سے بعض یہ ہیں :

ا۔ جسے انہوں نے محمد بن یعقوب کی سند سے ابو سعید خدری سے نقل کیا ان کا بیان ہے ؛ نبی اکرم ﷺ نے بلال کو اواز دینے کا حکم دیا : «امر رسول الله ص بلالا ان ینادی ..»
انہوں نے پوری حدیث نقل کرنے کے بعد فرمایا: محمد بن حسن کہتا ہے :اس حدیث میں جو پالتو گدھے کے گوشت کو حرام قرار دیا گیا تو یہ اہل سنت کے موافق ہے اور جنہوں نے اس روایت کو نقل کیا وہ اکثر اہل سنت ہیں اور جس چیز کو نقل کرنے میں صرف وہ ہوں اس پر توجہ نہیں کی جاتی[1]؛ اس میں انہوں نے صراحت کے ساتھ بتا دیا کہ روایات کافی سب کی سب صحیح نہیں ہیں چہ جائیکہ وہ سب قطعی اور یقینی ہوں۔

---

[1] - تہذیب الاحکام ۹ص۴۰ ؛ فما تضمن هذا الحديث من تحريم لحم الحمار الأهلي موافق للعامة، والرجال الذين رووا هذا الخبر أكثرهم عامة، وما يختصون بنقله لا يلتفت إليه. جبکہ یہ روایت اپنے طول و تفصیل کے ساتھ کافی ٦ص ۲۴۳/ وطبع محققہ دار الحدیث ۱۲ص ۲۱۳-۲۱۶ن ۱۱۴۴۵ میں موجود ہے اور دیگر مصادر میں بھی ہے : والاستبصار، ج ۴، ص ۷۵، ح ۷ ۴. علل الشرائع، ۲ص ۴۶۰، ح ا، بسند خود از معلّی بن محمّد. وجوع ہو : الکافی، کتاب الصید، باب آخر منہ، ح ۱۱۳۶۰، الفقیہ، ج ۳، ص ۳۲۳، ح ۴۱۵۲؛ الخصال، ص ۶۰۸، ابواب الثمانین ومافوقہ، ح ۹، الوافی، ج ۱۹، ص ۲۷، ح ۱۸۸۶۴؛ الوسائل، ج ۲۴، ص ۱۰۷، ح ۳۰۰۹۷. فقہ اور شروح کافی میں دیگر مصادر بھی ہیں۔

۲-۳۔ جسے انہوں نے کلینی سے ان کی سند سے عمران زعفرانی سے نقل کیا؛اس کا بیان ہے کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کی: دو تین دن تک اسمان میں بادل چھا جاتے ہیں: «قلت لابی عبد الله ع: ان السماء تطبق علینا..»[1]، اور جسے ان سے ان کی سند سے عمران زعفرانی سے ہی نقل کیا کہ میں نے امام صادقؑ سے عرض کی: ہم سردیوں دو تین دن ایسے رہتے ہیں [کہ سورج وستارے نہیں دیکھتے تو روزہ کا کیا حکم ہے؟فرمایا: سابقہ سال کو دیکھو اور پانچ دن گن کر روزہ رکھو]؛ «قلت لابی عبد الله ع: انا نمکث فی الشتاء..»[2].

شیخ طوسی نے ان دونوں کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: یہ دونوں خبر واحد ہیں اور علم و عمل کا موجب نہیں اور اس لیے بھی کہ ان کا راوی عمران زعفران فروش مجہول ہے اور ان دونوں حدیثوں کی سندوں میں ضعیف لوگ بھی ہیں اور ہم ان چیزوں پر عمل نہیں کرتے جنہیں نقل کرنے میں ایسے لوگ مختص ہوں[3]۔ [معجم رجال ا ص۲۹] شیخ طوسی نے صراحت کے بیان فرما دیا کہ کافی وغیرہ جو سب روایات ہیں جب ان کی سند میں ضعیف ہوں تو وہ ان پر عمل نہیں کرتے جب اس کو نقل کرنے میں وہ مختص ہوں۔

۴-۶۔ جسے شیخ طوسی نے ان کی سند سے قاسم بن محمد زیّات [روغن زیتون فروش] سے نقل کیا کہ میں نے امام رضاؑ سے عرض کی: میں نے اپنی بیوی سے ظہار کیا [اور کہا اگر تو ایسا کرے تو

---

[1] - الکافی ۴ص۸۰وط /۷ص۴۱۷ن ۶۳۰۶؛التہذیب، ج ۴، ص ۱۷۹، ح ۴۹۶؛ والاستبصار، ج ۲، ص ۷۶، ح ۲۳۰. الفقیہ، ج ۲، ص ۱۲۵، ح ۱۹۱۹، مرسلاً اور امام کے نام کو ذکر نہیں کیا، الوافی، ج ۱۱، ص ۱۵۱، ح ۱۰۵۸۷؛الوسائل، ج ۱۰، ص ۲۸۳، ح ۱۳۴۲۴. فقہ میں ۷۰ سے زائد کتب میں ذکر ہے۔فقہ اھل البیتؑ/۲۔

[2] -الکافی ۴ص۸۱و/۷ص۴۲۰ن ۶۳۰۹؛التہذیب، ج ۴، ص ۱۷۹، ح ۴۹۷؛ الاستبصار، ج ۲، ص ۷۶، ح ۲۳۱. فقہ الرضا علیہ السلام، ص ۲۰۸، نااختصار؛الوافی، ج ۱۱، ص ۱۵۱، ح ۱۰۵۸۸. فقہ کے دیگر مصادر میں بھی ہے۔

[3] -تہذیب و استبصار سابقہ حوالہ: «إنهما خبر واحد لا یوجبان علما ولا عملا، ولأن راویهما عمران الزعفرانی، وهومجهول، وفی إسناد الحدیثین قوم ضعفاء لا نعمل بما یختصون بروایته».

تیری پشت میری ماں جیسی؟فرمایا: تجھ پر کچھ نہیں اور ائندہ ایسا نہ کرنا]؛ «قلت لابی الحسن الرضا ع: انی ظاهرت من امراتی ..»[1]، اور جسے محمد بن یعقوب کی سند سے ابن بکیر سے انہوں نے ایک شخص سے نقل کیا کہ میں نے امام ابوالحسنؑ سے عرض کی: میں نے اپنی بیوی سے کہا؛ «قال: قلت لابی الحسن ع: انی قلت لامراتی ..»[2]، اور جسے انہوں نے کلینی کی سند سے ابن فضال سے اور انہوں نے عمن اخبره [یعنی جس نے انہیں خبر دی] کی تعبیر سے امام صادقؑ سے نقل کیا فرمایا؛ «لا یکون الظهار الا علی مثل موضع الطلاق»[3].

جبکہ ان تین روایات میں سے پہلی کو محمد بن یعقوب نے اس سند سے نقل کیا: عدة من اصحابنا، عن سهل بن زیاد، عن القاسم بن محمد الزیات[4]. جیسا کہ ان میں تیسری کو شیخ صدوق نے بطور مرسل امام صادقؑ سے نقل کیا ہے[5]۔ شیخ طوسی نے ان روایات کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: ان روایات میں سب سے پہلے یہ ہے کہ ان میں دو روایتیں جو کہ اخری دو ہیں مرسل ہیں [اور ان کے بعض راویوں کا نام بھی معلوم نہیں] اور مرسل روایات کے ذریعہ

---

[1] -کافی ٦ص١٥٨ ؛ استبصار ٣ص٢٦١؛ تہذیب الاحکام ٨ص١٣؛وافی ٢٢ص٩٠٦ن٢٢٤٢٠؛ وسائل ٢٢ص٣٣٣ن ٢٨٧٢٨؛اور فقہ میں ٢٥ سے زائد مصادر میں ہے۔

[2] الکافی٦ص١٥٤و /١١ص١٨٧ن ١١٠٤٣؛تہذیب، ج ٨، ص ١٣، ح ٤٣، ؛الاستبصار، ج ٣، ص٢٦١، ح ٩٣٤. الفقیہ، ج ٣، ص ٥٣٢، ح ٤٨٣٨، ؛الوافی، ج ٢٢، ص ٩٠٦، ح٢٢٤٢١؛الوسائل، ج ٢٢، ص ٣٣٢، ح ٢٨٧٢٧. فقہ میں ٢٥ سے زائد موارد میں ذکر ہے۔

[3] -کافی ٦ص ١٥٤و/١١ص١٨٧ن ١١٠٤٤؛تہذیب، ج٨، ص ١٣، ح ٤٤؛والاستبصار، ج ٣، ص٢٦١، ح ٩٣٥، الفقیہ، ج ٣، ص ٥٢٦، ح ٤٨٢٧، ،بطور مرسل اور امامؑ کا نام بھی نہیں لیا؛ الوافی، ج ٢٢، ص ٩٠٨، ح ٢٢٤٢٥؛الوسائل، ج ٢٢، ص ٣٠٧، ح ٢٨٦٦٠. کتب فقہ میں یہ روایت ٥٠ سے زائد موارد میں ذکر ہوئی اور علماء نے تبصرہ فرمایا۔

[4] -روایت کے ذیل میں حوالہ جات ذکر ہوئے۔

[5]۔روایت کے ذیل میں حوالہ ذکر ہوا۔

با سند روایات پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا اور اس کی وجہ ہم نے کئی جگہ بیان کی ہے اور پہلی روایت کا راوی ابو سعید ادمی سہل بن زیاد[1] ہے وہ روایات کی شناخت رکھنے والوں کے نزدیک بہت زیادہ ضعیف ہے اور اسے ابو جعفر ابن بابویہ [شیخ صدوق] نے نوادر حکمت کے راویوں سے جدا کر دیا[2]۔

تبصرہ: اگر شیخ طوسی عقیدہ رکھتے ہوتے کہ کافی و فقیہ کی تمام روایات قطعی اور یقینی طور پر معصومینؑ سے صادر ہوئی ہیں یا وہ سب صحیح ہیں اگرچہ قطعی و یقینی نہ ہوں تو ان روایات پر ان سند ضعیف ہونے یا ان کے بعض راوی حذف کا اعتراض نہ کرتے خصوصا جبکہ راوی کا نام حذف کرنے والا وہ[عبداللہ] بن بکیر ہے جس کی وثاقت و صداقت پر اجماع و اتفاق قائم ہیں[3] اور ابن فضال اپنی وثاقت و صداقت میں معروف و مشہور ہے[1]۔

---

[1] ۔رجال البرقی ۵۸ و ۶۰، رجال الکشی ۴۷۴ن ۸۵۴، رجال النجاشی ۱|۱۷۴ن ۴۸۸، رجال الطوسی ۴۰۱ن ا و ۴۱۶ن ۴ و ۴۳۱ن ۲، فہرست الطوسی ۱۰۶ان ۳۴۱، معالم العلماء ۵۷ن ۳۸۳، رجال ابن داود ۴۶۰ن ۲۲۲، التحریر الطاووسی ۱۴۳ان ۱۸۴، رجال العلامۃ الحلی ۲۲۸ن ۲، نقد الرجال ۱۶۵، مجمع الرجال ۳|۱۷۹، جامع الرواۃ ۱|۳۹۳، وسائل الشیعۃ ۲۰|۲۱۳ن ۵۶۸، الوجیزۃ ۱۵۴، ہدایۃ المحدثین ۸۷، بہجۃ الآمال ۴|۵۱۴، تنقیح المقال ۲|۷۵ن ۵۳۹۶، إعیان الشیعۃ ۷|۳۲۲، الذریعۃ ۴|۷۹۴ن ۲۱۳۳ و ۲۴|۳۳۲ن ۱۷۴۳، معجم رجال الحدیث ۸|۳۳۷ن ۵۶۲۹، قاموس الرجال ۵|۳۷، المعجم الموحّد ۱|۳۸۳. موسوعۃ طبقات الفقہاء ۳ص۲۸۱ن ۹۳۸؛ تعجب کا مقام ہے کہ اب بعض بڑے اداروں میں اس کی تین جلدی مسند اور توثیق کی کوششوں پر مشتمل طویل و عریض کتاب شائع کی ہے۔

[2] - تہذیب واستبصار سابقہ موارد : «أول ما في هذه الأخبار أن الخبرين منهما وهما الأخيران مرسلان، والمراسيل لا يعترض بها على الأخبار المسندة لما بيناه في غير موضع. وأما الخبر الأول فراويه أبوسعيد الآدمي- سهل بن زياد- وهوضعيف جدا عند نقاد الأخبار، وقد استثناه أبوجعفر ابن بابويه في رجال نوادر الحكمة».

[3] -رجال البرقی ۲۲، فرق الشیعۃ للنوبختی ۸۹، اختیار معرفۃ الرجال ۳۴۵ن ۶۳۹ و ۳۷۵ن ۷۰۵، فہرست ابن الندیم ۲۸۶، رسالۃ إبی غالب الزراری ۱۱۴ و ۱۳۱، الرسالۃ العددیۃ ضمن مصنفات الشیخ المفید ۹ص ۳۷، رجال النجاشی ۲ص ۲۳ن ۵۷۹ و اص ۳۰۸ن ۳۲۰، رجال الطوسی ۲۲۴ن ۲۷ و ۲۲۶ن ۵۸، فہرست الطوسی ۱۸۸ان ۴۰۵، معالم العلماء ۷۷ن ۵۱۷، التحریر الطاووسی ۱۶۸ان ۲۲۳، رجال ابن داود ۱۹۹ان ۸۲۸، رجال العلامۃ الحلی ۱۰۶ و ۱۰۷، نقد الرجال ۱۹۵، مجمع الرجال ۳ص ۲۶۸،

[ماہ رمضان کے تیس دن ہونے والی کثیر روایات پر شیخ مفید وطوسی کا شدید تبصرہ]

۷- ۱۱-وہ روایات جو دلالت کرتی ہیں کہ ماہ مبارک رمضان تیس دنوں سے کبھی کم نہیں ہو سکتا یہ روایات باوجود اس کے کہ ان میں سے بعض کافی اور فقیہ میں ذکر ہیں ان میں [معجم رجال اص۳۰] شیخ طوسی اور ان سے پہلے شیخ مفید نے اعتراض کیا ہے اور ان کے صحیح نہ ہونے اور ان کے شاذ روایات میں سے ہونے کا حکم لگایا ہے ، اس کا بیان یہ ہے کہ محمد بن یعقوب نے کافی میں ایک باب عنوان کیا اور اس میں تین روایات نقل کیں جو دلالت کرتی ہیں کہ ماہ رمضان کبھی کم نہیں ہو سکتا ؛ پہلی روایت وہ ہے جسے انہوں نے حذیفہ بن منصور کے واسطہ سے امام صادقؑ سے نقل کیا[۲]۔

جامع الرواۃ اص ۳۷۴، وسائل الشیعۃ ۲۰ص ۲۳۳ن ۶۶۷، الوجیزۃ ۱۵۶، ہدایۃ المحدثین ۲۰۲، رجال بحر العلوم اص ۲۲۸، بہجۃ الآمال ۵ص ۲۰۳ و ۲۰۴، تنقیح المقال ۲ص ۱۷ان ۶۷۶۸، اِعیان الشیعۃ ۸ص ۴۸، معجم رجال الحدیث ۱۰ص ۱۲۲ان ۶۷۳۴ و ۲۲ص ۱۶۰ان ۱۵۰۳۹، قاموس الرجال ۵ص ۳۹۹، المعجم الموحد ۲ص ۲۳. موسوعۃ طبقات الفقہاء ن ۵۱۲۔

[۱] -بظاہر اس سے مراد حسن بن علی بن فضال ہے ؛ رجال البرقی ۵۴، رجال الکشی ۴۳۳ ن ۳۷۸ و ۴۷۳ ن ۴۵۲، فہرست ابن الندیم ۳۲۶، رجال النجاشی اص ۱۲۷، رجال الطوسی ۳۷۱، فہرست الطوسی ۴۷ ن ۱۶۴، معالم العلماء ۳۳ ن ۱۸۴، رجال ابن داود ۱۱۴ ن ۴۳۷ و ۴۴۱ ن ۱۲۵، التحریر الطاووسی ۴۷ ن ۹۴ و ۹۵، رجال العلامۃ الحلی ۳۷، لسان المیزان ۲ص ۲۲۵، نقد الرجال ۹۴ ن ۱۱۱، مجمع الرجال ۲ص ۱۳۱، جامع الرواۃ اص ۲۱۴، منتہی المقال ۹۹ و ۱۰۰، بہجۃ الآمال ۳ص ۱۷۲، ایضاح المکنون ۲ص ۲۷۸ و ۶۱۵، تنقیح المقال اص ۲۹۷، اِعیان الشیعۃ ۵ص ۲۰۶، الذریعۃ ۳ص ۱۱۰، الجامع فی الرجال اص ۵۳۰، معجم رجال الحدیث ۵ص ۴۴ ن ۲۹۸۳، قاموس الرجال ۳ص ۲۱۱.

[۲] -کافی ۴ص ۷۸و/۷ص ۴۱۴ح ۶۳۰۳؛ الفقیہ، ج ۲، ص ۱۶۹، ح ۲۰۴۰؛ تہذیب، ج ۴، ص ۱۶۸، ح ۴۷۹؛ وص ۱۷۰، ذیل ح ۴۸۲؛ الاستبصار، ج ۲، ص ۶۵، ح ۲۱۳؛ وص ۶۷، ذیل ح ۲۱۵، ان سب کو محمّد بن سنان سے معلقا نقل کیا. الخصال، ص ۵۳۰، ابواب الثلاثین و مافوقہ، ح ۵، دوسری سند سے رضا علیہ السلام سے نقل کیا کچھ اختلاف اور اضافہ کے ساتھ ؛ رجوع ہو تہذیب الاحکام، ج ۴، ص ۱۷۱، ح ۴۸۴؛ الاستبصار، ج ۲، ص ۶۸، ح ۲۱۷؛ الخصال، ص ۵۳۰، ابواب الثلاثین ومافوقہ، ح ۸؛ الوافی، ج ۱۱، ص ۱۳۹، ح ۱۰۵۶۷؛ الوسائل، ج ۱۰، ص ۲۶۹، ذیل ح ۱۳۳۹۴.

اور دوسری روایت جسے محمد بن اسماعیل نے بعض اصحاب کے واسطہ سے امام صادقؑ سے نقل کیا[1] اور تیسری جسے حذیفہ بن منصور نے معاذ بن کثیر کے واسطہ سے امام صادقؑ سے نقل کیا ہے[2] اور ان روایات کو شیخ صدوق نے بھی نقل کیا مگر انہوں نے دوسری کو محمد بن اسماعیل بن بزیع سے از محمد بن یعقوب بن شعیب، از پدر خود از اامام صادقؑ نقل کیا اور ابو بصیر کی امام صادقؑ سے روایت[3] اور یاسر خادم کی امام رضاؑ سے روایت کا اضافہ کیا[4]۔

[شیخ صدوق کا ماہ رمضان کے تیس دن ہونے میں مبالغہ]

شیخ صدوق نے ان روایات کو نقل کرنے کے بعد فرمایا: اس کتاب کا مصنف - خدا اس سے راضی ہو - کہتا ہے: جس نے ان روایات کی مخالفت کی اور ان کے مخالف اہل سنت کی روایات کو اپنایا تو اس نے ایسے تقیہ کیا جیسے عامہ تقیہ کرتے ہیں اور جو بھی ہو اس نے سوائے تقیہ کے کچھ نہیں کہا مگر یہ کہ وہ رشد و ہدایت کا طلبگار ہو تو اسے رہنمائی کی جائے اور حقیقت کی

---

[1] - کافی ۴ ص ۸۷ و / ۷ ص ۱۵ ۴ ان ۴ ۰ ۶۳؛ التہذیب، ج ۴، ص ۱۷۲، ح ۴۸۵؛ الاستبصار، ج ۲، ص ۶۸، ح ۲۱۸، الفقیہ، ج ۲، ص ۱۷۰، ح ۲۰۴۲؛ التہذیب، ج ۴، ص ۱۷۱، ح ۴۸۳؛ الاستبصار، ج ۲، ص ۶۷، ح ۲۱۶؛ معانی الأخبار، ص ۳۸۲، ح ۱۴، دوسری سند سے اور شروع میں کچھ اضافہ ؛ الوافی، ج ۱۱، ص ۱۴۲، ح ۱۰۵۶۷؛ الوسائل، ج ۱۰، ص ۲۷۲، ح ۱۳۴۰۲؛ البحار، ج ۵۷، ص ۲۱۵، ح ۱۸۵. یہ روایت ثم اختزلھا کے لفظوں میں فقہ میں ۳۰ موارد میں ذکر ہوئی اور شیخ مفید نے الردّ علی اصحاب العدد میں خوب بحث کی ہے اور کافی ط دار الحدیث میں اس کے ذیل میں وافی فیض کاشانی اور محقق شعرانی کا تفصیلی تبصرہ بھی قابل دید ہے۔

[2] - کافی ۴ ص ۸۷ و / ۷ ص ۱۶ ۴ ان ۶۳۰۵؛ الخصال، ص ۵۲۹، إبواب الثلاثین ومافوقہ، ح ۴، اس سند سے نقل کیا: إبیہ، عن سعد بن عبداللّٰہ وعبداللّٰہ بن جعفر الحمیری ومحمّد بن یحییٰ العطّار وإحمد بن إدریس جمیعاً، عن إحمد بن محمّد بن عیسی ومحمّد بن الحسین بن إبی الخطّاب، عن محمّد بن سنان. الفقیہ، ج ۲، ص ۱۶۹، ح ۲۰۴۱، حذیفۃ بن منصور سے بطور معلق نقل کی؛ الوافی، ج ۱۱، ص ۱۳۹، ح ۱۰۵۶۸؛ الوسائل، ج ۱۰، ص ۲۶۹، ح ۱۳۳۹۵.

[3] فقیہ ۲ ص ۱۷۱۔

[4] فقیہ ۲ ص ۱۷۱۔

وضاحت کی جائے کہ بدعت کا ذکر جب چھوڑ دیا جائے تو وہ نابود اور ہلاک ہو جاتی ہے اور خدا کی طاقت کے سوا کوئی طاقت کارساز نہیں ہے[1]۔

تبصرہ: یہ وہ روایات ہیں جنہیں محمد بن یعقوب کلینی نے نقل کیا اور شیخ صدوق نے ان کو صحیح قرار دیا اور ان کے صحیح ہونے اور ان پر عمل لازمی ہونے میں مبالغہ اور تاکید سے کام لیا ہے اور [ان کے شاگرد] شیخ مفید اپنے مشہور رسالہ عددیہ میں ان روایات کے درپے ہوئے اور ان کی سندوں میں مناقشہ اور اشکال کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ شاذ روایات ہیں ان سے استدلال کرنا ممکن نہیں ہے۔

[شیخ مفید کا نقد و تبصرہ]

پس شیخ مفید نے کہا: جن روایات سے عدد شمار کرنے والوں نے تمسک کیا کہ ماہ رمضان تیس دن سے کم نہیں ہوتا تو وہ شاذ روایات ہیں جن کی سندوں میں شیعہ روایات نقل کرنے ولوں نے طعن و اشکال کیا ہے اور وہ حدیث کی کتابوں میں روزہ کے عنوان میں [معجم رجال ا ص ۱۳۱] نادر ابواب میں لکھی جاتی ہیں اور نادر وہ روایات ہیں جن پر عمل نہیں کیا جاتا اور میں کچھ شاذ روایات کو نقل کرتا ہوں اور ان کے خلل و نقص اور سب کے خلاف ان سے استدلال کرنے کے باطل و فاسد ہونے کو بیان کروں گا ان شاء اللہ تعالی[2]۔

---

[1] - فقیہ ۲ ص ۱۷۱: «قال مصنف هذا الكتاب رضى الله عنه: من خالف هذه الأخبار، وذهب إلى الأخبار الموافقة للعامة فى ضدها، اتقى كما يتقى العامة ولا يكلم إلا بالتقية كائنا من كان، إلا أن يكون مسترشدا فيرشد ويبين له، فإن البدعة إنما تماث وتبطل بترك ذكرها ولا قوة إلا بالله».

[2] - الرد علی اصحاب العدد ـ جوابات اهل الموصل، ص ۱۹: «وأما ما تعلق به أصحاب العدد من أن شهر رمضان لا يكون أقل من ثلاثين يوما، فهى أحاديث شاذة قد طعن نقلة الآثار من الشيعة فى سندها، وهى مثبتة فى كتب الصيام، فى أبواب النوادر، والنوادر هى التى لا عمل عليها. وأنا أذكر جملة ما

پس ان میں سے وہ حدیث ہے جسے محمد بن حسین بن ابی الخطاب نے محمد بن سنان کے واسطہ سے حذیفہ بن منصور سے نقل کیا کہ امام صادقؑ نے فرمایا: ماہ رمضان تیس دن ہے کبھی بھی اس سے کم نہیں ہوتا: شهر رمضان ثلاثون يوما لا ينقص ابدا.

یہ ایک شاذ و نادر روایت ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا اس کی سند میں محمد بن سنان [1] ہے اور اس میں طعن کیا گیا ہے اور اس کی تہمت اور ضعیف ہونے میں گروہ شیعہ میں کوئی مختلاف نہیں کرتا اور روایت کی ایسی سند ہو اس پر دین میں عمل نہیں کیا جاسکتا [2]۔

[روایت میں فریضہ کم نہ ہونے کی تعبیر پر شیخ مفید کا تبصرہ]

اور ان میں سے ایک وہ حدیث ہے جو محمد بن یحییٰ عطار [عطر فروش] نے سہل بن زیاد ادمی کے واسطہ سے محمد بن اسماعیل سے اور اس نے بعض اصحاب کے واسطہ سے امام صادقؑ سے نقل کی فرمایا: بے شک اللہ تعالی نے دنیا کو چھ دنوں میں خلق کیا پھر انہیں سال کے دنوں

جاءت به الأحاديث الشاذة وأبين عن خللها وفساد التعلق بها فى خلاف الكافة إن شاء الله. اور اس عبارت کو فقہ میں بہت سے علماء نے نقل کیا۔

[1] - رجال البرقی ۵۴ و ۵۷ و ۴۸، رجال الکشی ۳۳۲ن ۲۴۵ و ۴۲۳ن ۳۶۰ و ۴۲۷ن ۳۷۰ و ۴۸۶ن ۴۷۸، رجال النجاشی ۲۰۸ن ۸۸۹، رجال الطوسی ۲۸۸ن ۱۱۶، فہرست الطوسی ۱۶۹ن ۶۲۰، معالم العلماء ۱۰۲ن ۶۸۴، رجال ابن داود ۳۱۵ن ۱۳۷۶ و ۵۰۴ن ۴۴۰، التحریر الطاووسی ۲۴۴ن ۳۶۴، رجال العلامۃ الحلی ۲۵۱ن ۱۷، نقد الرجال ۳۱۰ن ۴۰۰، مجمع الرجال ۵ص۲۲۱، جامع الرواۃ ۲ص۱۲۳، وسائل الشیعۃ ۲۰ص۳۲۹ن ۱۰۴۹، بہجۃ الآمال ۶ص۴۴۲، ہدیۃ العارفین ۲ص۱۱، تنقیح المقال ۳ص۱۲۴ن ۱۰۸۲۰، الذریعۃ ۱۵ص۱۵۴ و ۲۲ص۱۵۱، الاَعلام زرکلی ۶ص۸۰، معجم رجال الحدیث ۱۶ص۱۳۸ن ۱۰۹۰۹ و ۱۰۹۱۰ و ۱۰۹۱۱، قاموس الرجال ۸ص۱۹۵، معجم المؤلفین ۹ص۱۹۳.

[2] ـ الرد علی إصحاب العدد - جوابات اہل الموصل؛ ص: ۲۰؛و هذا الحديث شاذ نادر غير معتمد عليه طريقه محمد بن سنان و هو مطعون فيه لا تختلف العصابة فى تهمته و ضعفه و ما كان هذا سبيله لم يعمل عليه فى الدين.

سے کم کر دیا تو سال تین سو چون دن کا ہوتا ہے اور شعبان کامل نہیں ہوتا اور ماہ رمضان کبھی کم نہیں ہوتا اور فریضہ کبھی ناقص نہیں ہوتا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: اور تا کہ تم تعداد کو پورا کرو؛

ان اللہ عز وجل خلق الدنیا فی ستة ایام، ثم اختزلها من ایام السنة، فالسنة ثلاثمائة واربعة وخمسون یوما، وشعبان لا یتم، وشهر رمضان لا ینقص ابدا، ولا تکون فریضة ناقصة، ان اللہ تعالی یقول: وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ[1].

یہ حدیث شاذ ہے اس کی سند مجہول ہے اور اگر ایسی روایت میں صدقہ یا روزہ یا کسی عمل کی انجام دہی کا ذکر ائے تو بھی اس میں توقف ضروری ہے تو اس وقت کیا حال ہوگا جب اس میں ایسی بات ذکر ہو جو قران و سنت اورامت مسلمہ کے اجماع کے خلاف ہو اور کسی کافر ذمی و ملی اور کسی مسلمان اور ستارہ شناس کے حساب پر صحیح نہ ہوتی ہو اور جس نے اللہ تعالی کے فرائض میں ایسی روایات پر اعتماد کیا وہ بہت گمراہ ہوا[2] اور پھر ایسا کلام جو علماء کے کلام سے بھی دور ہو چہ جائیکہ اس کی معصوم ائمہؑ کے کلام سے کوئی نسبت ہو کیونکہ اس میں کہا ہے کہ فریضہ ناقص اور کم نہیں ہوتا اس بات کا کوئی معنی نہیں ہے کیونکہ فریضہ ویسے ہوتا ہے جیسے فرض ہوا ہو پس جب اسے سنگین یا سبک انجام دیا جائے وہ ناقص نہیں ہوتا اور مہینہ جب انتیس دن ہو تو اس کے روزوں کے فریضہ کو فرض میں کمی نہیں کہا جاسکتا جیسا کہ نماز مسافر چونکہ اپنے وطن میں حاضر شخص کی نماز سے ادھی ہوتی ہے تو اسے ناقص فریضہ نہیں کہتے ،خدا نے

---

[1] - یہ کافی کے باب کی دوسری روایت ہے جس کے حوالہ جات گزر چکے ہیں۔

[2] - حق بات کے دفاع میں کبھی تعبیروں میں سختی ہو جاتی ہے اور شیخ مفید نے اپنے مد مقابل کو پہنچانتے ہوئے کہ وہ ان کے استاد شیخ صدوق وغیرہ ہیں ایسی تعبیر کو ذکر کیا ہے اور ایسی بعض تعبیریں انہوں نے تصحیح الاعتقاد میں بھی ذکر کی ہیں بظاہر ان کی مراد نظریہ کو باطل قرار دینا ہے لیکن وہ شیخ صدوق وغیرہ بزرگ علماء کی شخصیت اور تقدس کا پورا احترام کرتے ہیں لیکن ایسی تعبیریں عوام اور عامیانہ ذوق میں تعجب آور سمجھی جاتی ہیں جبکہ علمی بحثوں میں جب تک غلط بات پر نقد نہ ہو قافلہ علم آگے نہیں بڑھ سکتا ہے۔

ہدایت کے ائمہؑ کو ایسی بات سے بہت بلند و بالاقرار دیا کہ جب فریضہ کمی اور سبک حالت میں انجام دیا جائے تو کہیں یہ ناقص ہے اور ہم نے بیان کیا کہ جس نے دو ماہ مسلسل ظہار کے کفارہ میں روزے رکھے تو وہ ۵۸ دن ہونگے [معجم رجال اص۳۲] اور فرض ہر گز ناقص نہیں ہوگا بلکہ فرض کامل اور تامّ ہوگا[۱]۔

پھر اس میں ماہ رمضان تیس دن ہونے اور اس سے کم نہ ہونے پر ایت سے استدلال کیا گیا؛ تاکہ تم تعداد پوری کرو، یہ مرض و بیماری اور سفر کی حالت میں چھوٹ جانے والے روزوں کی

---

[۱] - الرد علی إصحاب العدد - جوابات اہل الموصل؛ ص:۲۲ :وهذا الحديث شاذ مجهول الإسناد، ولوجاء بفعل صدقة أوصيام أوعمل لوجب التوقف فيه، فكيف إذا جاء بشيء يخالف الكتاب والسنة وإجماع الأمة، ولا يصح على حساب ذمی ولا ملی ولا مسلم ولا منجم، ومن عول على مثل هذا الحديث فی فرائض الله تعالى فقد ضل ضلالا بعيدا-

وبعد: فالكلام الذی فيه بعيد من كلام العلماء فضلا عن أئمة الهدى ع، لأنه قال فيه لا تكون فريضة ناقصة وهذا لا معنى له، لأن الفريضة بحسب ما فرضت، فإذا أديت على الثقيل أوالخفيف لم تكن ناقصة، والشهر إذا كان تسعة وعشرين يوما، ففرض صيامه لا ينسب إلى النقصان فی الفرض، كما أن صلاة السفر إذا كانت على الشطر من صلاة الحضر لا يقال لها صلاة ناقصة، وقد أجل الله إمام الهدى ع عن القول بأن الفريضة إذا أديت على التخفيف كانت ناقصة. وقد بينا أن من صام شهرين متتابعين فی كفارة ظهار، فكانا ثمانية وخمسين يوما لم يكن فرضاناقصا، بل كان فرضا تاما.

ثم احتج لكون شهر رمضان ثلاثين يوما لم ينقص عنها بقوله تعالى: وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ. وهذا نقد فی قضاء الفائت بالمرض والسفر. أ لا ترى إلى قوله تعالى: (وَ مَنْ ك ٰانَ مَرِيضاً أَوْ عَلى ٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيّ ٰامٍ أُخَرَ يُرِيدُ الل ّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ ل ٰا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ، وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ[البقره ۱۸۵]) أی عدة صوم شهر رمضان، وما أوجب ذلک أن يكون ثلاثين يوما إذا كان ناقصا. وقد بينا ذلک فی صيام الكفارة إذا كانا شهرين متتابعين وإن كانا ناقصين أوأحدهما كاملا والآخر ناقصا.

قضاء سے متعلق ہے کیا تم اس پوری ایت کو نہیں دیکھتے : اور جو بیمار اور مسافر ہو وہ دوسرے دنوں میں مقدار پوری کرے، اللہ تمہارے لیے اسانی چاہتا ہے اور تمہیں مشقت میں ڈالنا نہیں چاہتا اور وہ چاہتا ہے کہ تم مقدار پوری کرو، یعنی ماہ رمضان کے روزوں کی تعداد اور ہر گزاس سے تیس دن ہونا واجب نہیں جب خود ماہ رمضان کم ہو [یعنی انتیس دن ہو] اور ہم نےاس کو کفارہ کے روزوں میں بیان کیا جب وہ مسلسل دو ماہ ہو اگرچہ دونوں ناقص ہوں یا ایک کامل اور دوسرا ناقص ہو۔

[یعقوب بن شعیب کی باپ سے روایت پر تبصرہ]

اور انہوں نے جن سے استدلال کیا ان میں سے ایک یہ حدیث ہے جسے محمد بن حسین بن ابی الخطاب نے محمد بن اسماعیل بن بزیع کے واسطہ سے محمد بن یعقوب بن شعیب سے اور اس نے اپنے باپ کے واسطہ سے امام صادقؑ سے روایت کی، راوی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کی: لوگ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ماہ رمضان کے انتیس دن کے روزہ تیس دن کے روزوں سے زیادہ رکھے ؟ امامؑ نے فرمایا: انہوں نے جھوٹ کہا، اپ نے صرف کامل روزے رکھے اور فرض کبھی ناقص نہیں ہوتے ؛قال: قلت له: ان الناس يروون ان رسول الله ص صام شهر رمضان تسعة وعشرين يوما اكثر مما صام ثلاثين يوما؟ فقال: كذبوا ما صام الا تاما، ولا تكون الفرائض ناقصة.

یہ حدیث اور اس کی سند پہلی قسم کی ہے اور یہ ایک شاذ حدیث ہے جو اصحاب حدیث کے نزدیک نادر ہی ثابت ہوتی ہے اور اس میں شیعہ فقہاء نے طعن کیا ہے انہوں نے کہا: محمد بن یعقوب بن شعیب نے اپنے باپ سے سوائے اس حدیث کے کوئی حدیث نقل نہیں کی اگر وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتا ہوتا تو اس سے اسی حدیث جیسی دوسری حدیثیں بھی نقل کرتا اور صرف ایک ایسی حدیث نقل نہ کرتا جسے دوسرے کسی نے نقل نہیں کیا درحالانکہ

یعقوب بن شعیب-خدا ان پر رحم کرے- کی ایک اصل ہے اس میں اس نے وہ سب روایات جمع کیں جو اس نے امام صادقؑ سے نقل کیں اور ان میں یہ روایت نہیں ہے اور اگر یہ روایت یعقوب بن شعیب کی نقل کردہ روایات میں سے ہوتا تو وہ اسے اپنی اصل میں قرار دیتے جس میں اس نے امام صادقؑ سے نقل کر کے اپنی حدیثوں کو جمع کیا ہے ؛ پس ان کی اصل کا اس حدیث سے خالی ہونا دلیل ہے کہ یہ ان کے نام پر جعل کی گئی ہے

پھر حدیث میں وہ تعبیر ہے جس کا ائمہ معصومینؑ کا کلام ہونے کو ہم نے بعید قرار دیا اور وہ ایسی بات کہنے والے پر طعن ہے جو کہے : ماہ رمضان انتیس ہے کیونکہ فرض ناقص نہیں ہوتا اور مہینہ جب انتیس دن ہو تو اس میں روزے کا فریضہ ناقص نہیں ہوگا اور جب [معجم رجال،ص ۳۳] سفر میں ظہر کی نماز دو رکعتی ہو تو فرض ناقص نہیں ہوگا اگرچہ وہ اپنے وطن میں حاضر شخص کی نماز سے ادھی ہو جیسا کہ مریض کی بیٹھ کر نماز کا فریضہ ناقص نہیں اسی طرح جب کفارے کا دو ناقص مہینہ [ہر دو انتیس انتیس دن] روزے رکھے تو کفارہ ناقص نہ ہوگا ؛اس سے تمہیں معلوم ہوگا کہ یہ حدیث جعل کرنے والا ایسا عوامی اور غافل شخص ہے جو علم و دانش سے بے بہرہ ہے اور ائمہ ہدایت ان چیزوں سے پاک ہیں جن کی ان کی جاہل اور نادان لوگوں نے نسبتیں دی ہیں اور کذب و افتراء باندھنے والوں نے ان کے نام پر بنالی ہیں اور خدا ہی مدد کرنے والا ہے پس یہ تین حدیثیں جو کہ شاذ ہیں اور ان کی سندوں میں اضطراب پایا جاتا ہے اور علماء نے ان کے راویوں میں طعن کیا ہے ان سے اعداد و شمار والوں نے اعتماد کیا ہے جو نقل سے تمسک کرتے ہیں جبکہ ہم نے ان سے تمسک کرنے کے ضعیف اور غیر معتبر ہونے کو اتنا کھول کر بیا کر دیا کہ اس پر اکتفاء کیا جا سکتا ہے اور سب تعریفیں اللہ تعالی کے لیے ہیں[1]۔

---

[1] - الرد علی اصحاب العدد، صص ۲۴-۲۵: وهذا الحديث من جنس الأول وطريقه، وهوحديث شاذ لا يثبت عند أصحابه إلا نادرا، وقد طعن فيه فقهاء الشيعة، فإنهم قالوا محمد بن يعقوب بن شعيب لم يروعن أبيه حديثا واحدا غير هذا الحديث، ولوكانت له رواية عن أبيه لروى عنه أمثال هذا

اور شیخ طوسی کا کلام ابھی گزر چکا ہے اور اس میں شک و شبہہ کی گنجائش نہیں کہ شیخ مفید اور شیخ طوسی کافی اور فقیہ وغیرہ کتب واصول میں مذکور روایات کے ساتھ غیر قطعی روایات کا معاملہ کرتے تھے پس اگر ان کا راوی ضعیف ہوتا یا وہ مرسل و بے سند روایت ہوتی تو وہ انہیں چھوڑ دیتے چاہے وہ روایت کافی یا فقیہ وغیرہ ان مشہور و معروف کتب و اصول میں منقول ہوتی. کاش جب شیخ مفید و طوسی جیسے علماء جو ائمہؑ کے زمانہ سے قریب تھے اور ان کی معلومات وسیع تھیں انہیں ان تمام روایات کے معصومینؑ سے صادر ہونے کا یقین نہ ہوا تو ان سے زمانہ اور رتبہ کے اعتبار سے بہت بعد میں انے والے گروہ کو کہاں یقین حاصل ہو گیا؛ کیا قطع و یقین کا حاصل ہونا قطعی اور بدیہی مقدمات یا جو واضح قضایا پر ختم ہو ان پر موقوف نہیں ہے ؟

الحديث، ولم يقتصر على حديث واحد لم يشركه فيه غيره، مع أن ليعقوب بن شعيب رحمه الله أصلا قد جمع فيه كل ما رواه عن أبى عبد الله ع، ليس هذا الحديث منه، ولوكان مما رواه يعقوب بن شعيب لأورده فى أصله الذى جمع فيه حديثه عن أبى عبد الله ع، وفى خلوأصله منه دليل على أنه وضع۔

مع أن فى الحديث ما قد بيناه بعده فى قول الأئمة ع وهوالطعن فى قول من قال: إن شهر رمضان تسعة وعشرون يوما، لأن الفريضة لا تكون ناقصة، والشهر إذا كان تسعة وعشرين يوما كانت فريضة الصوم فيه غير ناقصة وإذا كان فرض السفر لصلاة الظهر ركعتين لم يكن الفرض ناقصا، وإن كان على الشطر من صلاة الحضر، كما أن صلاة العليل جالسا لا يكون فرضها ناقصا كذلک إذا صام الكفارة فصام شهرين ناقصين لا تكون الكفارة ناقصة. وهذا يدلک على أن واضع الحديث عامى غفل بعيد من العلماء، وحاشا أئمة الهدى ع مما أضافه إليهم الجاهلون، وعزاه إليهم المفترون والله المستعان. فهذه الأحاديث الثلاثة مع شذوذها، واضطراب سندها وطعن العلماء فى رواتها هى التى يعتمد عليها أصحاب العدد المتعلقون بالنقل، وقد بينا ضعف التعلق بها مما فيه كفاية والحمد لله».

[صحت روایات وسائل کے لیے ذکر کردہ بے وجہ اشیاء کا نقد تضییع وقت]

اور صاحب وسائل نے اپنے دعوی کہ انہوں نے اپنی کتاب میں جتنی روایات نقل کی ہیں وہ سب صحیح ہیں اور وہ ائمہ معصومینؑ سے صادر ہوئی ہیں اس کو ثابت کرنے کے لیے کچھ وجوہات کو ذکر کیا اور انہیں دلیلوں کا نام دیا ہے[1] لیکن ان میں سے کوئی چیز ایسی نہیں جو نتیجہ خیز ہو اور ان کے ذکر کرنا اور پھر ان کا جواب دینے میں سوائے وقت ضائع کرنے کے کچھ حاصل نہیں ہوگا اور ان میں سے سب سے بہتر وجہ وہی تھی جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا اور اس کا جواب دے دیا ہے اور اس مقام پر ان کا ایک کلام ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں تا کہ جستجو کرنے والوں کے لیے ان کے بقیہ مواد کی حقیقت واضح ہو جائے جنہیں انہوں نے اپنے دعوی کی دلیل کے طور پر پیش کر رکھا ہے۔

انہوں نے اپنے بیان میں نویں وجہ میں فرمایا: [معجم رجال اص ۳۴] تعجب ہے کہ وہ متقدمین بلکہ جو ان کے بعد میں ائے جیسے محقق حلی، علامہ حلی، شہید اول و شہید ثانی وغیرہ جب ان میں سے

---

[1] -ملاحظہ ہو وسائل الشیعۃ ۳۰ ص ۲۶۷ ـ ۲۸۰؛ خاتمہ میں فائدہ ۹ (۲۲ وجوہات)، فائدہ ۱۰ (نقد شبہات و اعتراضات)؛ اور امید تھی کہ اس کے ترجمہ میں فاضل شخصیت کوئی تبصرہ حق فرمائیں گی لیکن انہوں نے بھی اسی روش کی تائید کر دی بلکہ انہوں نے ترجمہ کافی کے مقدمہ میں بقول غواص بحار الانوار کے اس کی تمام روایات کو معتبر اور قابل عمل قرار دیا اور راویوں کی تحقیق کو محض ترجیح کے مقام سے خاص قرار دیا؛ جس پر ہم نے تنقیح کافی میں تفصیل سے تبصرہ کیا ہے۔ اس طرح دیگر محدثین اور اخباریوں نے بھی اس طرح کے حسن ظنی چیزوں کو طول و تفصیل سے جمع کیا اور ویسے بھی بعض اہل علم و دانش کی عادت رہی ہے کہ جب وہ کسی بات کی تائید یا تنقید کرنا چاہتے ہیں تو دلیلوں میں ایسی بہت سی چیزوں کو جمع و تالیف کر دیتے ہیں جن کا حقیقت سے دور دور تک کوئی واسطہ نہیں ہوتا خاص کر احادیث کی تاویلوں اور توجیہات میں بھی یہ طریقہ عام ہے حالانکہ علمی لحاظ سے یہ ہرگز صحیح نہیں ہے بلکہ اس بات کو پیش کیا جانا چاہیے جس کی کوئی علمی اساس اور بنیاد موجود ہو، یہی وجہ ہے کہ بعض اہل قلم سے ایسے موضوعات پر تفصیلی کتابیں سامنے آئیں جن کی کوئی علمی ارزش نہیں ہے جیسا کہ بعض تحریف قرآن پر لکھنے بیٹھے تو مرسلہ و بے سند روایات کا ڈھیر لگا دیا اور کسی نے اخباری گری کی تائید میں قلم اٹھایا تو مواد کا انبار لگا دیا لیکن اس میں معتبر اور معتمد کتنا ہے اس کا خیال تھوڑا ہی رکھا ہے، غور کریں۔

کوئی ایک ابو حنیفہ وغیرہ علماء اہل سنت یا علماء شیعہ کا کوئی قول نقل کرتا ہے یا کسی کتاب سے کوئی کلام نقل کرتا ہے اور ہم اپنے وجدان و ضمیر کی طرف رجوع کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ ہمیں اس کے دعوی کی سچائی اور اس کی نقل کے صحیح ہونے کا علم و یقین حاصل ہو جاتا ہے نہ فقط ظن و گمان ہوتا ہے اور یہ علم عادی ہے جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ پہاڑ سونا نہیں بن سکتا اور سمندر خون نہیں بن سکتا تو کیسے اس کے غیر معصوم سے نقل کرنے سے علم و یقین حاصل ہو جاتا ہے اور معصومؑ سے نقل کرنے سے سوائے ظن گمان کے کچھ حاصل نہیں ہوتا حالانکہ جو لوگ تھوڑا بہت تقوی اور نیکی رکھتے ہیں وہ معصومؑ سے نقل کرنے میں تسامح اور تساہل یعنی سہل انگاری اور سستی نہیں کرتے جبکہ پہلی قسم میں سستی ہو سکتی ہے[1]۔

تبصرہ: کاش کوئی سمجھے کہ ان دونوں باتوں میں فرق اور دونوں موارد میں نقطہ امتیاز شیخ حر عاملی جیسی شخصیت سے کیسے مخفی رہ گیا؛ کہ محقق و علامہ اور شہید اول و ثانی وغیرہ جیسے افراد جب ابو حنیفہ سے کچھ نقل کرتے ہیں تو اسے محسوس طریقہ سے نقل کرتے ہیں اسے ان کی اراء و نظریات کی جامع کتابوں میں دیکھ کر نقل کرتے ہیں اور جب کوئی چیز امام معصومؑ سے نقل کرتے ہیں تو اسے اس طرح نقل کرتے ہیں جو ان کے نظریہ اور رائے کا نتیجہ ہوتا ہے تو

---

[1] -ملاحظہ ہو وسائل الشیعۃ ۳۰ص ۲۵۷-۲۵۸: «والعجب أن هؤلاء المتقدمين، بل من تأخر عنهم كالمحقق والعلامة والشهيدين وغيرهم إذا نقل واحد منهم قولا عن أبى حنيفة أوغيره من علماء العامة أوالخاصة، أونقل كلاما من كتاب معين، ورجعنا إلى وجداننا، نرى أنه قد حصل لنا العلم بصدق دعواه، وصحة نقله- لا الظن- وذلک علم عادى، كما نعلم أن الجبل لم ينقلب ذهبا، والبحر لم ينقلب دما. فكيف يحصل العلم من نقله عن غير المعصوم، ولا يحصل من نقله عن المعصوم غير الظن، مع أنه لا يتسامح ولا يتساهل من له أدنى ورع وصلاح فى القسم الثانى، وربما يتساهل فى الأول».

دوسرے کو پہلے سے کیسے قیاس کرلیا گیا[1]؛ لیت شعری کیف خفی علی مثل الشیخ الحر: الفارق بین الامرین، والمائز بین الموردین؟ فان المحقق والعلامة والشهیدین وامثالهم اذا نقلوا شیئا من ابی حنیفة، فانما ینقلونه عن حس، لمشاهدة ذلک فی کتاب جامع لارائه، واما اذا نقلوا امرا من معصوم، فانما ینقلونه عنه حسبما ادت الیه اراؤهم وانظارهم، وکیف یقاس الثانی بالاول.

[کتب اربعہ کے سند و متن میں اختلافات ان کے غیر قطعی ہونے کی تاکید]

اور جو چیز کتب اربعہ کی سب روایات کے معصومین سے صادر ہونے کے یقین و دعوی کے باطل ہونے کی تاکید کرتا ہے وہ ان کتابوں کی سند و متن میں اختلاف کا پایا جانا ہے اور ہم ان کے موارد کو راویوں کے حالات کے ضمن میں بیان کریں گے ان شاء اللہ بلکہ کئی موارد میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک روایت جو ایک کتاب میں دو یا زیادہ بار ذکر ہوتی ہے تو ان میں یا متن میں اختلاف پایا جاتا ہے اور ان کتابوں میں سب سے زیادہ اختلاف کتاب تہذیب میں ہے یہاں تک کہ صاحب حدائق نے کہہ دیا؛اس میں کوئی قلیل حدیث ہوگی جس کے متن یا سند میں

[1] -بظاہر مؤلف کے اس جواب میں بحث کی گنجائش ہے کیونکہ بحث معصومین کی روایات میں ہو رہی ہے جن میں راوی اپنی رائے کا دخل نہیں دیتا اور شیخ حر عاملی نے بھی اسی نقطہ پر تاکید کی ہے کہ راوی جب کچھ تقوی اور دینداری رکھتا ہو تو وہ اس میں تصرف نہیں کرتا تو اس کا بہتر جواب یہی ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیتؑ کے نام پر صریح جھوٹ بولنے والے موجود ہیں اور ان جھوٹوں پر معصومینؑ نے لعنت کی ہے اور ان کی روایات کی وجہ سے روایات میں عجیب و غریب جعلی و توہین آمیز روایات داخل ہو گئی ہیں تو کس طرح ان سب کو ابو حنیفہ اور شعراء جاہلی کے اشعار نقل کرنے سے قیاس کیا جاسکتا ہے ان سے دین کے احکام کو ثابت کرنا اسے خدا اور رسول کا حکم قرار نہیں دیا جاتا لیکن روایات سے خدا کے دین کا حکم ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے ان دونوں کی وادی مختلف ہے اور دین میں ایسی قیاس آرائی کی ہر گز گنجائش نہیں ہے، غور کریں۔

اختلاف نہ پایا جاتا ہو؛ «قلما یخلو حدیث فیه من ذلک فی متنه اوسنده»[۱]. جو کچھ محدث بحرانی نے ذکر کیا اگرچہ یہ ایک قسم کے مبالغہ سے خالی نہیں لیکن ایک حد تک یہ بات درست ہے اور تہذیب کی روایا تمیں بہت زیادہ خلل و نقص پایا جاتا ہے اور سندوں کے لحاظ سے ان نقائص کو راویوں کے تعارف کے ذیل میں بیان کریں گے ان شاء اللہ ۔[معجم رجال۱ص۳۵]

[بعض روایات کتب اربعہ کی تصدیق کی بجائے ان کا علم معصومینؑ کی طرف پلٹانا]

پھر کافی خاص کر روضۃ الکافی میں ایسی روایات ہیں جن کے امام معصوم سے صادر ہونے کی تصدیق نہیں کی جاسکتی تو ان کا علم ان کی طرف پلٹانا ضروری ہے اور ان سب موارد کو بیان کرنا کتاب کی روش سے نکل جانے کا سبب بنے گا لیکن ہم ان میں سے ایک مورد کو بیان کر دیتے ہیں اور باقی کو جستجو کرنے والوں کے حوالہ کر دیتے ہیں ، پس محمد بن یعقوب نے بسند خود ابو بصیر سے اور انہوں نے امام صادقؑ سے اس ایت : «وَ اِنَّهُ لَذِكْرٌ لَكَ وَ لِقَوْمِكَ وَ سَوْفَ تُسْئَلُونَ»[۲] [اور یہ اپ کے اور اپ کی قوم کے لیے ایک نصیحت ہے اور عنقریب تم سب سے سے سوال کیا جائے گا] کے بارے میں نقل کیا فرمایا: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ذکر ہیں اور

---

[۱] ۔الحدائق الناضرۃ ۴ص۲۰۹۔

[۲] ۔زخرف ۴۴۔ظاہر ہے کہ اس آیت میں ذکر سے مراد قرآن کریم ہے تو حتما روایت کے متن میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی یا کوئی لفظ گر گئی اصل میں ہو : ذو الذکر یعنی صاحب ذکر ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات ہے یا پھر یہ تاویل کی گئی کہ قرآن کے ذکر ہونے سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ذکر کہا جاسکتا ہے جیسا کہ شروح کافی میں احتمال دیا ہے غور کریں

ان کے اہل بیتؑ اسے سوال کیا جائے گا وہ اہل ذکر ہیں :فرسول الله ص الذکر واهل بیته المسئولون وهم اهل الذکر»[1]

. تبصرہ : اگر ایت میں ذکر سے مراد نبی اکرم ﷺ کی ذات ہو تو اس کا مخاطب کون ہے اور اس میں پائی جانے والی ضمیر خطاب سے مراد کون ہے ؟تو ایسی روایت کو امام معصومؑ سے صادر ہونے کو کیسے مان جا سکتا ہے چہ جائیکہ اس کے امام معصومؑ سے صادر ہونے کے علم و یقین ہونے کا دعوی کیا جائے ؟

بہر حال کافی کی بعض روایات کے معصومؑ سے صادر نہ ہونے کے علم و یقین -اگرچہ اجمالی ہو -کا دعوی کرنا بہت زیادہ حقیقت کے قریب ہے ۔

تو ان سب حقائق کے باوجود کیسے یہ دعوی صحیح ہو سکتا ہے کہ کتب اربعہ کی تمام روایات معصوم سے صادر ہیں بلکہ اس کے بعد اپ جان لیں گے کہ کتب اربعہ کی تمام روایات صحیح اور معتبر نہیں ہیں چہ جائیکہ ان کو قطعی اور یقینی قرار دیا جائے ۔ [معجم رجال اص ۳۷]

---

[1] - الکافی اص۲۱۱ن ۴/و اص ۵۲۳-۵۲۴ن ۵۵۰؛ بصائر الدرجات، ص ۳۷، ح ۲، الوافی، ج ۳، ص ۵۲۸، ح ۱۰۵۰؛ الوسائل، ج ۲۷، ص ۶۲، ح ۳۳۲۰۳.

مقدمہ دوم: [راوی کے اعتبار کو ثابت کرنے کے معیارات]

وثاقت وصداقت یا حسن ومدح ثابت ہونے کے لیے علمی معیارات۔
مذکورہ معیارات کی حدبندی، تحقیق اور دقیق آزمائش۔ [معجم رجال ا ص ۳۹]

جن چیزوں سے راوی کی وثاقت و صداقت یا حسن و مدح ثابت ہوتی ہے وہ چند چیزیں ہیں :

۱۔ معصومینؑ میں سے کسی ایک کی نص :

جن چیزوں سے راوی کی وثاقت و صداقت یا حسن و مدح ثابت ہوتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ کوئی ایک معصومؑ اس کی نصّ قائم کریں اس میں کوئی شک و شبہہ نہیں مگر اس نص کا ثابت ہونا اس کے وجدان و حسّ یا معتبر روایت سے یقین کرنے پر موقوف ہے اگرچہ وجدان اور حسّ غیبت کے زمانہ میں سوائے شاذ و نادر کے واقع نہیں ہو سکتا مگر معتبر روایات بہت زیادہ موجود ہیں اور اس کتاب کے ضمن میں ان کو اپنے موارد میں جان لوگے ان شاء اللہ۔

اور کبھی کسی راوی کی وثاقت و صداقت یا اس کے حسن و مدح کو ثابت کرنے کے لیے ضعیف اور غیر معتبر روایت سے یا خود اس شخص کی روایت سے استدلال کیا جاتا ہے اور یہ بہت عجیب و غریب بات ہے کیونکہ ضعیف اور غیر معتبر روایت قابل اعتماد نہیں جیسا کہ کسی راوی کی وثاقت یا حسن کو خود اس کی بات سے ثابت کرنا بھی واضح طور پر دور باطل ہے۔

[علم رجال میں گمان محض کے حجت ہونے کا ردّ]

اور محدث نوری نے عمران بن عبد اللہ قمی کے تعارف میں فرمایا: کشی نے دو روایتیں نقل کیں جن میں اس کی بہت زیادہ مدح پائی جاتی ہے اور جب ان سے ظن و گمان حاصل ہو جاتا ہے تو انکی سندوں کا ضعیف ہونا ضرر رساں نہیں ہے «روی الکشی خبرین فیھما

مدح عظيم لا يضر ضعف سندهما بعد حصول الظن منهما»[١]. اور دوسرے علماء نے بھی اس بات کو ذکر کیا اور علم رجال میں ظن و گمان کے حجت ہونے پر اجماع اور اتفاق علماء کا دعوی کر دیا ہے جبکہ اس پر درج ذیل اشکالات وارد ہوتے ہیں:

اولا: ضعیف روایت کا پایا جانا ہمیشہ راوی کے سچے ہونے کے گمان کا موجب نہیں بنتا [تو ان موارد میں کیا کریں گے؟]

ثانیا: ظنّ و گمان تو حق بات سے کچھ بھی بے نیاز نہیں کرتا اور علم رجال میں اس کے حجت ہونے پر اجماع و اتفاق کا دعوی کرنا یقینا باطل اور فاسد ہے. [معجم رجال ا ص ٤٠] ایسا کیوں نہ ہو حالانکہ قدیم اور جدی کتب اصول میں اپ دیکھتے ہیں کہ ان میں ذکر ہوا ہے کہ ظن گمان پر عمل کرنا حرام ہے جب تک اس کے حجت ہونے پر معتبر دلیل قائم نہ ہو جائے تو اس وقت ظنی اور گمان والے حکم کی شریعت کے مالک کی طرف نسبت دینا تشریع اور حرام ہے اور انہوں نے خاص موارد کو بیان کیا جن میں ظن و گمان کے حجت ہونے پر دلیل قائم ہوئی ہے اور کچھ ایسے موارد ہیں جن کے بارے میں اختلاف ہوا جبکہ ان میں سے کسی مورد میں علم رجال کے ظنون و گمان کو ذکر نہیں کیا گیا اور نہ ہی علم رجال کے گمان کے حجت ہونے کو کسی عالم دین کی طرف نسبت دی گئی چہ جائیکہ اس کے حجت ہونے پر اتفاق و اجماع کا دعوی کیا جائے یہ شیخ طوسی کے زمانہ سے لیکر دو فاضل شخصیات محقق اور علامہ حلی اور ان کے بعد والے علماء کے دور تک کی فقہ کی استدلالی کتب موجود ہیں ان میں کوئی ایسا نہیں پاؤ گے جس نے کبھی اس کا دعوی کیا ہو یہ بات تو متاخر سے بھی بعض متاخر علماء کا قول ہے اور اس کا سبب بھی ذکر نہیں ہوا اور بعید نہیں ہے کہ اس نے خیال کیا ہو کہ علم رجال میں علم و یقین کا باب بند ہے تو ناچار ہیں کہ بالاخر ظن و گمان پر عمل کریں شاید علم رجال میں ظن و گمان کے حجت

---

[١] ۔ خاتمۃ مستدرک الوسائل ٨ ص ٢٧١؛ اور ملاحظہ ہو؛ رجال الکشی ٢: ٦٠٦/٦٢٣، ٦٠٨/٦٢٤.

ہونے پر اجماع کا دعوی کرنے والے نے بھی اسی بات پر اعتماد کیا ہے ،اس خیال سے کہ جب کسی باب میں علم و یقین کا باب بند ہو جائے تو گمان کا حجت ہونا سب کے نزدیک ثابت ہو جاتا ہے۔

اس پر چند اعتراضات ہوتے ہیں :

اولا؛ تو ثوثیقات اور جو چیزیں ان کے حکم میں ہیں ان میں علم و یقین کا باب بند نہیں ہوا جیسا کہ ہم بیان کریں گے کہ متقدمین علماء کے خبر دینے پر اعتماد جائز ہے۔

اور ثانیا کسی موضوع میں باب علم و یقین کا بند ہونا اس موضوع میں ظن و گمان کے حجت ہونے کا موجب نہیں ہوتا بلکہ بہت سے احکام شرعی میں باب علم و یقین کے بند ہونے کی صورت میں کشف یا حکومت دلیل کے باب سے ظن و گمان کے حجت ہونے میں معیار ہوتا ہے پس اگر یہ ثابت ہو جائے تو حکم شرعی کا گمان اگرچہ علم رجال کے ظن سے حاصل ہو حجت ہو گا چاہے علم رجال میں علم و یقین کا باب بند ہو یا نہ اور جب اکثر احکام میں باب علم و علمی کھلا ہو تو علم رجال کا گمان حجت نہیں چاہے علم رجال میں باب علم کھلا ہو یا نہ۔ خلاصہ یہ کہ علم رجال کے گمان کے خاص طور پر حجت ہونے کا دعوی یقینا باطل ہے چہ جائیکہ اس کے حجت ہونے پر یقین کا اتفاق کا دعوی کیا جائے ۔ [معجم رجال ا ص ۴۱]

۲۔ متقدمین میں سے کسی ایک عالم کا نص قائم کرنا

جن چیزوں سے راوی کی وثاقت و صداقت یا اس کا حسن و ممدوح ہونا ثابت ہوتا ہے ان میں کسی عالم کا اس بات کی تصریح کرنا ہے جیسے برقی ، ابن قولویہ ، ابو عمرو کشی، شیخ صدوق ، شیخ مفید ، نجاشی اور طوسی اور ان جیسے علماء ۔اس میں کوئی اشکال نہیں ہے اور شہادت و گواہی اور ثقہ و معتمد افراد کی خبر حجت ہونے کی وجہ سے ہے اور اصول کی بحثوں میں ذکر ہوا کہ ثقہ و معتمد شخص کی خبر صرف احکام شرعیہ میں حجت نہیں بلکہ موضوعات خارجی کو بھی شامل ہے

مگر جن موارد میں زیادہ گواہوں کے معتبر ہونے کی دلیل قائم ہو جیسا کہ عدالتی مسائل میں ہے اور یہ بھی وہیں ذکر ہوا کہ ثقہ و معتمد شخص کی خبر حجت ہونے میں اس کا عادل ہونا معتبر نہیں ہے. اس لیے ہم ابن عقدة، ابن فضال اور ان جیسے افراد کی توثیقات پر اعتماد کرتے ہیں۔

[علم رجال کی اخبار میں حدسی ہونے کا ردّ]

اگر کہا جائے: ان کا کسی راوی کی وثاقت و صداقت اور حسن و مدح کے بارے میں خبر دینا شاید ان کے حدس و چھٹی حس اور اجتہاد و فکری کاوش کا نتیجہ ہو تو ثقہ و معتمد افراد کی خبر حجت ہونے کی دلیل اس کو شامل نہیں ہو گی، کیونکہ وہ حدسی خبر کو شامل نہیں، پس جب ان کی خبر کے حدسی اور فکری کاوش کا نتیجہ ہونے کا احتمال ہو تو شبہ مصداقی ہو گا (اور اس میں دلیل کے عموم اور وسیع معنی سے تمسک نہیں کیا جاسکتا)۔

جواب: اس احتمال کی پرواہ نہیں کی جائے گی چونکہ سیرت عملی قائم ہے کہ ثقہ و معتمد شخص کی خبر حجت ہے جب تک اس کے حدسی و فکری کاوش کا نتیجہ ہونا ثابت نہ ہو اور اس میں شک نہیں کہ ان کی روایات کے حسی ہونے کا احتمال اگرچہ وہ ان کے نسل در نسل نقل کرنے اور ثقہ و معتمد کے ثقہ شخص سے نقل کرنے کی جہت سے ہو وہ وجدانی طور پر موجود ہے، یہ کیسے ہو؟ جبکہ علم رجال کی فہرستوں اور تراجم کی کتابوں کی تالیف ان کے ہاں صحیح کو ضعیف سے جدا کرنے کی غرض سے ہونا ایک متعارف امر تھا اور ان میں سے کچھ کتابیں ہم تک پہنچیں اور بعض ہم تک نہیں پہنچیں، اور شیخ حسن بن محبوب کے زمانہ سے شیخ طوسی کے زمانہ تک علم رجال کی کتابوں کی تعداد ایک سو سے زیادہ تھی جیسا کہ یہ بات نجاشی اور شیخ طوسی وغیرہ کی کتابوں سے ظاہر ہے، اور مشہور محقق شیخ اقا بزرگ طہرانی نے اپنی کتاب "مصفی المقال میں جمع کیا ہے.

[شیخ طوسی سے پہلے کثیر کتب رجال شیعہ]

اور شیخ طوسی نے کتاب عدۃ الاصول میں خبر واحد کی فصل کے اخر میں فرمایا: ہم نے گروہ شیعہ کو پایا کہ انہوں نے ان روایات کو نقل کرنے والے راویوں میں امتیاز قائم کیا ان میں سے جو ثقہ و معتمد تھے ان کی توثیق کی اور جو ضعیف اور غیر معتمد تھے ان کو ضعیف قرار دیا اور جس کی حدیث پر اعتماد کیا جاتا ہے اس کو ان راویوں سے جدا کیا جن کی روایت پر اعتماد نہیں کیا جاتا اور جو مدح کے قابل تھے ان کی مدح کی اور جو مذمت کے قابل تھے ان کی مذمت کی اور کہا: فلاں حدیث کے معاملہ میں متہم ہے اور فلاں بڑا جھوٹا اور کذاب ہے اور فلاں خلط کرنے والا ہے اور فلاں مذہب اور اعتقاد میں مخالف ہے اور فلاں واقفی مذہب سے وابستہ ہے اور فلاں فطحی ہے وغیرہ راویوں کے عیوب جو انہوں نے ذکر کئے اور انہوں نے اس موضوع میں کتابیں تصنیف کیں اور اپنی فہرستوں میں کتابوں کے راویوں میں سے بعض کو جدا کر دیا حتی ان میں سے جب کوئی کسی حدیث کا انکار کرتا تو اسکی سند کا عیب بیان کرتا اور اس کی روایت و نقل کو ضعیف قرار دیتا یہ ان کی قدیم اور جدید روش رہی ہے جو کبھی ختم نہیں ہوئی «انا وجدنا الطائفة میزت الرجال الناقلة لهذه الاخبار فوثقت الثقات منهم، وضعفت الضعفاء، وفرقت بين من يعتمد على حديثه وروايته وبين من لا يعتمد على خبره، ومدحوا الممدوح منهم وذموا المذموم. وقالوا: فلان متهم فی حديثه،[معجم رجال۱ ص۴۲]وفلان كذاب، وفلان مخلط، وفلان مخالف فی المذهب والاعتقاد، وفلان واقفی، وفلان فطحی، وغير ذلک من الطعون التی ذكروها. وصنفوا فی ذلک الكتب واستثنوا الرجال من جملة ما رووه من

التصانیف فی فهارسهم، حتی ان واحدا منهم اذا انکر حدیثا طعن فی اسناده وضعفه بروایته. هذه عادتهم علی قدیم وحدیث لا تنخرم»[۱].

اور نجاشی کبھی اپنے بیان کو علماء رجال کی طرف نسبت دیتے ہیں اور کہتے ہیں: «ذکره اصحاب الرجال»[۲]؛اسے علماء رجال نے ذکر کیا ہے،اور جیسا کہ واضح سی بات ہے کہ ایسی عبارتیں واضح طور پر دلالت کرتی ہیں کہ علم رجال میں ذکر شدہ توثیقات یا تضعیف اور مدح یا قدح علماء میں متعارف اور مشہور امور میں سے ہیں اور ان کو انہوں نے اپنی کتابوں میں صراحت کے ساتھ بیان کیا تھا۔

اس سے شیخ فخر الدین طریحی کا اپنی کتاب مشترکات میں یہ اشکال[۳] کہ نجاشی یا شیخ طوسی کی توثیقات میں احتمال ہے کہ وہ ان کے حدس اور فکری کاوش کا نتیجہ ہوں تو ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے،ان کی یہ بات ہر گز صحیح نہیں ہے۔

۳۔متاخرین میں سے کسی عالم کا صراحت کرنا

جن چیزوں سے وثاقت یا حسن ثابت ہوتا ہے ان میں متاخرین میں سے کسی عالم کا نص قائم کرنا ہے اس شرط کے ساتھ کہ جس کی وثاقت و صداقت کی خبر دیں ان کا ہم عصر ہو یا ان کے قریبی زمانہ کا ہو جیسا کہ شیخ منتجب الدین، یا ابن شہر اشوب[۴] کی شیخ طوسی کے بعد والے زمانہ کے راویوں کی توثیقات کا ذکر کرنا ہے لیکن دوسرے راویوں کے بارے میں جیسا کہ ابن

---

[۱]. العدة من علم الاصول، ج۱ص۳۶۶۔

[۲]۔ رجال نجاشی، ص۲۷، ۱۰۴، ۱۶۴، ۳۱۸، ۲۰۷، ۱۹۹۔

[۳] ۔ مشترکات الرجال، ۵۰۔

[۴]۔ملاحظہ ہو: فہرست منتجب الدین، ط کتابخانہ مرعشی، ۱۴۰۸ق۔ اور معالم العلماء ابن شہر آشوب، ط مطبعہ حیدریہ نجف ۱۳۸۰ق۔

طاوس ،علامہ حلی اور ابن داود حلی[۱] اور ان کے بعد والے علماء رجال کی ان راویوں کے بارے میں توثیقات ہیں جو ان سے بہت پہلے گزر گئے تو یہ یقینا ان کے اجتہاد اور فکری کاوش کا نتیجہ ہیں اور حجت نہیں ہے۔

[شیخ طوسی کے بعد سلسلہ اسناد قطع ہونے کا بیان]

اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ طوسی کے بعد سوائے چند ایک کے مسلسل اسناد اور سابقہ علمی میراث کا سلسلہ کٹ گیا اور تقلید کا سلسلہ شروع ہو گیا وہ شیخ طوسی کے فتاوی پر عمل کرتے اور اس سے استدلال کرتے جیسے روایت سے استدلال کیا جاتا ہے جیسا کہ ابن ادریس حلی نے السرائر[۲] میں اور دوسرے علماء نے دوسری کتابوں میں اس بات کی تصریح کی ہے اور اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ جب وہ ائمہ معصومینؑ کے ہم عصر صاحبان کتب و اصول کی طرف اپنی سندیں ذکر کرتے تو اپنی سندوں کو شیخ طوسی تک پہنچاتے ،[معجم رجال اص ۴۳] اور اس کے بعد شیخ طوسی کی سندوں کا حوالہ دے دیتے۔

یہ علامہ حلی ہیں انہوں نے بنی زہرہ کے نام اپنے اجازہ کبیرہ[۳] میں اپنی سند شیخ صدوق اور ان کے والد علی بن حسین بن بابویہ، اور شیخ مفید، اور سید مرتضی، اور ان کے بھائی سید رضی- قدس اللہ اسرارہم- تک ذکر کی پھر بہت سی سنی کتب اور ان کی صحاح اور شیخ طوسی کے بعد والے علماء کی طرف اپنی سندیں ذکر کیں اور فرمایا:

---

[۱] ـ ملاحظہ ہو: التحریر الطاوسی، خلاصۃ الاقوال علامہ حلی اور رجال ابن داود۔

[۲] ـ السرائر۔

[۳] ـ بحار الانوار ج ۱۰۴ ص ۶۰۔

اس میں شیخ طوسی سے پہلے والے اپنے علماء کی تمام کتابیں جیسے شیخ محمد بن یعقوب کلینی، حسین بن سعید، اور ان کے بھائی حسن، ظریف بن ناصح، وغیرہ کی کتابیں جن کا ذکر شیخ طوسی کی فہرست میں ان کی سندوں کے ساتھ ہوا ہے.

اور شہید ثانی نے شیخ بہائی کے والد شیخ عبد الصمد کے نام اپنے بڑے اجازہ[1] میں شیخ طوسی کی طرف اپنی کچھ سندیں ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

«اور ان سندوں نے سے ہم شیخ طوسی سے پہلے والے علماء و مشائخ کی تمام کتابوں اور جن کا ذکر انہوں نے اپنی کتاب " فہرست اسماء المصنّفین میں کیا اور ان کی تمام کتابیں اور روایات جن کو انہوں سندوں کے ساتھ ذکر کیا ان کی سندوں سے نقل کیا ہے. اور ہم نے شیخ طوسی کی طرف باکثرت سندیں ذکر کیں کہ مذہب کی تمام اصول و کتب ان کی کتابوں اور روایات پر پہنچتی ہیں».

بہر حال شیخ طوسی متاخرین اور ان متقدمین کے درمیان رابطہ کی کڑی ہیں جن کی کتابوں سے کتب اربعہ وغیرہ حدیث کی کتابیں لکھی گئیں اور متاخرین کے پاس ان کے راویوں کی توثیق یا تضعیف میں سوائے استنباط اور فکری کاوش کے کوئی مستقل سند نہیں ہے۔

[رجال ابو عمرو کشی کی تلخیص پہنچنے کا بیان]

اس بات کی تاکید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ابو عمرو کشی کی کتاب جو شیعہ علم رجال کی بنیادی کتابوں میں شمار ہوتی ہے اور نجاشی نے اس سے اپنی کتاب رجال میں نقل کیا ہے وہ بھی متاخرین کے پاس نہیں پہنچی اور وہ اس سے کچھ نقل نہیں کر پائے ان کے پاس اس کتاب کا وہ خلاصہ تھا جو شیخ طوسی نے ابو عمرو کشی کی کتاب سے بنایا تھا۔

---

[1] ۔ بحار الانوار، ١٠٥ ص ١٤٦۔

[رجال ابن عضائری کا متاخرین کے پاس پہنچنا ثابت نہیں]

اور اسی طرح ابن عضائری کی رجال کی کتاب ہے وہ متاخرین کے پاس ہونا ثابت نہیں اسے ابن طاووس نے رجال کی بنیادی کتابوں کی طرف اپنی سندیں ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کے پاس اس کتاب کی طرف سند نہیں ہے اور علامہ حلی ،ابن داود حلی اور مولی قہپائی نے [معجم رجال ا ص ۴۴] اگرچہ اس کتاب سے بہت کچھ نقل کیا لیکن انہوں نے اس کتاب کی طرف اپنی سند بیان نہیں کی اور اس بات کا اطمینان ہے کہ ان کے پاس اس کتاب کی طرف کوئی سند نہیں تھی یہ علامہ حلی نے اجازہ کبیرہ میں ان کتابوں کے نام لکھے جن کی طرف ان کے پاس سندیں موجود تھیں حتی انہوں نے شیخ طوسی سے پہلے اور بعد کے علماء کی کتابوں کے علاوہ عامہ کی حدیث و فقہ اور ادب وغیرہ کی کتابوں کو بھی ذکر کیا لیکن اس میں ابن عضائری کی کتاب کا ذکر نہیں ایا ،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس اس کتاب کی طرف سند نہیں تھی ورنہ اس کو ذکر کرنا کئی ان کتابوں سے بہتر ہوتا جن کو انہوں نے اپنے اجازہ میں بیان کیا ہے۔

[شہید ثانی اور حسین خوانساری کی کتاب ابن عضائری کی طرف سند کا نقد]

ہاں شہید ثانی نے اپنے سابقہ بڑے اجازہ میں اور اغا حسین خوانساری نے اپنے شاگرد امیر ذو الفقار کے نام اپنے اجازہ میں حسین بن عبید اللہ بن عضائری کی کتاب رجال کا ان کتابوں میں ذکر کیا جن کی طرف انہوں نے اپنی سندیں بیان کیں۔ کبھی اس سے سمجھا جاتا ہے کہ حسین بن عبید اللہ کی کتاب رجال ان کے پاس پہنچی لیکن حقیقت اس کے بر خلاف ہے؛ کیونکہ شہید نے اس کتاب کی طرف اپنی سند علامہ حلی تک پہنچائی اور اس کتاب کو علامہ حلی کی سند سے نقل کیا اور پہلے معلوم ہو چکا کہ علامہ کے پاس اس کتاب کی طرف کوئی سند نہیں۔

نیز یہ کہ شہید نے اپنی سند کو نجاشی کے واسطہ سے حسین بن عبید اللہ عضائری تک پہنچایا اور یہ حقیقت کے خلاف ہے جبکہ حسین بن عبید اللہ جو نجاشی کے استاد تھے اور خود نجاشی نے اپنی کتاب میں ان کا تعارف کرایا اور ان کی کتابوں میں اس کتاب کا نام نہیں لیا، بلکہ اپنی کتاب سے

مجموعا کچھ اتنا نقل بھی نہیں کیا جس سے معلوم ہو کہ انہوں نے علم رجال میں کتاب لکھی اسی طرح شیخ طوسی نے حسین بن عبید اللہ سے بہت زیادہ نقل کیا لیکن ان کے نام کتاب الرجال ذکر نہیں کی اور نہ ان کی کتاب میں کوئی ایسی عبارت ہے جس سے سمجھا جائے انہوں نے رجال کی کتاب لکھی۔اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ کہ جو شہید ثانی نے حسین بن عبید اللہ کی کتاب کی طرف سند بیان کی وہ واضح طور پر سہو و اشتباہ ہے اس سے اغا حسین خونساری کی سند کا حال بھی معلوم ہوا کہ وہ شہید ثانی کی سند ہے اور وہ سابقہ کتابوں کو شہید کی سند سے نقل کرتے ہیں۔ [معجم رجال اص ۴۵]

یہ ابو عمرو کشی اور ابن عضائری کی کتابوں کا حال ہے جو علم رجال کی اساسی کتابوں میں شمار ہوتی ہیں۔

اور شیخ طوسی اور نجاشی کے زمانہ میں علم رجال کی دیگر معروف کتابیں تو متاخرین کے پاس ان کا نام و نشان نہیں رہا[۱]،ہاں کبھی علامہ حلی اور ابن داود ابن عقدہ سے کسی راوی کی توثیق نقل کرتے ہیں مگر انہوں نے اپنی نقل کی دلیل اور مصدر و منبع بیان نہیں کیا اور علامہ نے اپنے اجازہ کبیرہ میں جن کتابوں کی طرف سندیں ذکر کیں ان میں ابن عقدہ کی کتاب رجال کا ذکر نہیں کیا۔

اس سے نتیجہ حاصل ہوا کہ ابن طاووس،علامہ حلی اور ابن داود اور ان کے بعد والے ماہرین علم رجال اپنی توثیقات اور مدح میں اپنے اجتہاد اور استنباط اور اپنی فکری کاوشوں پر اعتماد کرتے ہیں جو انہوں نے نجاشی اور شیخ کی کتابوں سے سمجھا اور دوسروں کے کلام پر بہت کم اعتماد کرتے ہیں اور کبھی استفادہ اور اجتہاد میں اشتباہ کرتے ہیں جیسا کہ کئی موارد میں اس بات کی طرف اشارہ کریں گے،پس تم علامہ حلی کو دیکھو گے کہ وہ ہر اس امامی المذہب راوی پر اعتماد

---

[۱]۔ان کتابوں کو بزرگ تہرانی نے مصفی المقال اور رسول طلائیان نے منبع شناسی رجال شیعہ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

کرتے ہیں جس کے بارے میں کوئی قدح و عیب بیان نہ ہوا ہو اور یہ بات ان کے احمد بن اسماعیل بن سمکہ وغیرہ راویوں کے تعارف سے ظاہر ہوتی ہے اور تم دیکھو گے کہ علامہ مجلسی ہر اس راوی کو ممدوح شمار کرتے ہیں جس کی طرف شیخ صدوق نے اپنی سند ذکر کی ہو اور یہ ہرگز صحیح نہیں ہے جیسا کہ ہم عنقریب اس کو بیان کریں گے اس بناء پر ان کی توثیقات کسی طرح بھی معتبر اور قابل پرواہ نہیں۔

۴۔ متقدمین سے اجماع کا دعوی توثیق

اور جن چیزوں سے وثاقت یا حسن و مدح ثابت ہوتی ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ متقدمین میں سے کوئی عالم کسی راوی کی وثاقت و صداقت پر اتفاق کا دعوی کرے تو اگرچہ یہ اجماع منقول ہوگا مگر یہ اس اجماع کا دعوی کرنے والے کے اس راوی کو ثقہ قرار دینے سے کم نہیں ساتھ اس سے دوسرے افراد کے توثیق کرنے کا دعوی بھی کیا بلکہ کسی کی وثاقت پر اجماع کا دعوی معتبر ہوگا حتی جب وہ دعوی متاخرین میں سے کسی نے کیا جیسا کہ ابراہیم بن ہاشم کے بارے میں ہے کہ ابن طاوس نے ان کی وثاقت پر اتفاق و اجماع کا دعوی کیا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہکہ بعض قدماء بھی اس کو ثقہ سمجھتے تھے اور یہ اس راوی کے ثقہ ثابت ہونے کے لیے کافی ہے۔ [معجم رجال ۱ص ۴۷]

مقدمہ سوم: توثیقات عامہ کی ارزش

ان راویوں کی ضمنی توثیق کی قدر و قیمت جن کی توثیق دوسروں کی توثیق کے ضمن میں ہوئی۔

اور توثیق ضمنی کا توثیق خاص و مطابقے کے برابر ہونے کا بیان ہے۔

بعض توثیقات عامہ کی حجیت میں اشکال. [معجم رجال ا ص ۴۹]

توثیقات عامہ

پہلے جان چکے کہ کسی راوی کی وثاقت و صداقت کسی ثقہ و معتمد شخص کی خبر دینے سے ثابت ہوتی ہے تو اس میں فرق نہیں کہ وہ کسی معین اور خاص شخص کی وثاقت کی خبر دی یا ایک گروہ کے ضمن میں اس کی وثاقت کی گواہی دے چونکہ اصل معیار تو اس کی وثاقت کی گواہی دینا ہے چاہے وہ دلالت مطابقے سے ہو یا دلالت تضمنی کے تحت ہو،۔

[۱۔ تفسیر قمی کی توثیق عام]

اس لیے علی بن ابراہیم کے ان تمام مشائخ کی وثاقت کا حکم لگایا جائے گا جن سے انہوں نے اپنی تفسیر میں روایت کی جب سند کسی ایک معصوم تک پہنچے کہ انہوں نے اپنی تفسیر کے مقدمہ میں فرمایا:

ہم ان روایات کو بیان کریں گے جنہیں ہمارے مشائخ اور ثقہ راویوں نے ان سے نقل کیا جن کی اطاعت خدا نے فرض کی ہے «ونحن ذاکرون ومخبرون بما ینتھی الینا، ورواہ مشایخنا وثقاتنا عن الذین فرض اللہ طاعتھم..» [۱]

یہ بات واضح طور پر دلیل ہے کہ وہ اپنی کتاب میں سوائے ثقہ و معتمد راوی کے کسی سے نقل نہیں کریں گے بلکہ صاحب وسائل نے اپنی کتاب کے چھٹے فائدہ میں سمجھا جس میں بہت سے علماء کی مذکورہ کتابوں کے صحیح ہونے کی گواہی ذکر کی اور ان کا مولفین سے تواتر اور ثبوت بیان کیا اور ان کی احادیث کے ائمہ معصومینؑ سے ثابت ہونا بیان کیا اس میں ان کا کہنا ہے کہ جو راوی بھی تفسیر علی بن ابراہیم قمی کی روایات کی سندوں میں آگیا جن کی انتہاء ائمہ معصومینؑ تک ہوتی ہے تو اس کے ثقہ ہونے کی گواہی علی بن ابراہیم نے دی ہے ان کا کہنا ہے: علی بن

۱۔ تفسیر القمی، ا ص ۴۔

ابراہیم نے اپنی تفسیر کی احادیث کے ثابت ہونے اور ان کے ثقہ راویوں کے واسطہ سے ائمہؑ سے نقل ہونے کی گواہی دی؛ «وشهد علی بن ابراهيم ايضا بثبوت احاديث تفسيره وانها مروية عن الثقات عن الائمة ع»[1].

تبصرہ سید: جو کچھ انہوں نے سمجھا وہ صحیح ہے کیونکہ علی بن ابراہیم اپنے اس بیان سے اپنی تفسیر کے صحیح ہونے کو ثابت کرنا چاہتے ہیں اور اس کی روایات کے ثابت ہونے اور ائمہؑ سے صادر ہونے کو بیان کرنا چاہتے ہیں اور یہ کہ وہ ثقہ شیعہ راویوں کے واسطہ سے نقل ہوئی تو ان کی توثیق کو ان کے مشائخ اور اساتذہ تک خاص کرنے کی کوئی وجہ نہیں بنتی جن سے انہوں نے بلاواسطہ روایت کی جیسا کہ دوسرے بعض علماء نے گمان کیا[2]. [معجم رجال اص۵۰]

[۲۔ توثیق عام کامل الزیارات ابن قولویہ]

اس بیان سے ہم ان سب مشائخ کی وثاقت کا حکم لگاتے ہیں جو کامل الزیارات کی سندوں میں واقع ہوئے کہ جعفر بن قولویہ نے اپنی کتاب کے شروع میں فرمایا:

ہم جانتے ہیں کہ ہم اس موضوع اور دوسرے موضوعات میں ائمہ معصومینؑ سے منقول سب کچھ جمع نہیں کرسکتے لیکن جو ہمیں ثقہ و معتمد اصحاب کے واسطہ سے پہنچا کہ خدا ان پر رحمت کرے اور نہ ہی میں نے اس میں کوئی ایسی حدیث نقل کی جو شاذ راویوں نے ان سے نقل کی جو روایت کے معاملہ میں غیر معروف اور حدیث اور علم کے معاملہ میں غیر مشہور ہیں «وقد

---

[1]۔ وسائل الشیعۃ ۳۰ ص ۲۰۲۔

[2]۔ موجود تفسیر قمی کا نسخہ ان کے بعد کسی نے جمع کیا اس میں ابو الجارود وغیرہ کی تفسیر کو ضم کردیا ہے اس میں بہت سے ضعیف راوی اور روایتیں پائی جاتی ہیں اور بعض کے جعلی ہونے کا یقین ہے اس طرح کیسے اس کے سب راویوں اور روایتوں کی توثیق ہوسکتی ہے ویسے سب مولفین کی روش یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی کتابوں میں اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق اچھے راویوں سے جمع کرتے ہیں یا قدماء کی روش کے مطابق صحیح المعنی روایات کو جمع کرتے ہیں تو پھر علم رجال کی ضرورت ہی ختم ہوجاتی ہے حق یہ ہے کہ اس نظریہ سے سید نے بعد میں رجوع کیا اور یہ بات ان کی کتاب میں ثبت رہ گئی ہے جس کی تصحیح ضروری ہے۔

علمنا بانا لا نحيط بجميع ما روى عنهم فى هذا المعنى ولا فى غيره، لكن ما وقع لنا من جهة الثقات من اصحابنا رحمهم الله برحمته ولا اخرجت فيه حديثا روى عن الشذاذ من الرجال يؤثر ذلک عنهم عن المذكورين غير المعروفين بالرواية المشهورين بالحديث والعلم ..»[1].

یہ عبارت واضح طور پر دلیل ہے کہ وہ اپنی کتاب میں معصوم کی کسی روایت کو نہیں لکھیں گے مگر جو ثقہ و معتمد افراد کے ذریعہ نقل ہوئی اور صاحب وسائل نے تفسیر قمی کی توثیق کے بعد فرمایا: اسی طرح ابن قولویہ نے بھی اس سے بڑھ کر اپنی زیارات کی کتاب میں تصریح کی ہے «وكذلک جعفر بن محمد بن قولويه، فانه صرح بما هوابلغ من ذلک فى اول مزاره»[2].

تبصرہ سید: ان کا بیان متین اور محکم ہے پس جن راویوں کی توثیق کی علی بن ابراہیم یا جعفر بن محمد بن قولویہ نے گواہی دی ان کو ثقہ سمجھا جائے گا مگر ان کی توثیق کے ساتھ کوئی مخالف بیان ہو[3]۔

---

[1]۔ کامل الزیارات ص ۴۔

[2]۔ وسائل الشیعۃ ۳۰ ص ۲۰۲۔

[3]۔ سید نے ان بہت سے راویوں کی طرف اشارہ کیا جو صریحا ضعیف ہیں اور ان کی روایات کو ان کتابوں میں نقل کیا گیا ہے، الغرض یہ نظریہ بھی سید کے سابقہ نظریہ کی طرح بعد میں بدل گیا اور انہوں نے اس توثیق عام کو چھوڑ دیا اور حقیقت بھی یہی ہے کیونکہ اس میں بہت سے مجاہیل اور ضعفاء بھی ہیں تو ان سب میں تعارض کیسے جاری ہو؟ اور بعض محققین عصر سے تعجب ہے کہ جب رجال عامہ کی بحث کرتے ہیں تو بہت دقت کرتے ہیں ہیں جب کامل الزیارات پہ آتے ہیں تو اس کے سب راویوں کے ثقہ ہونے کی فہرست مرتب کر کے چھوڑ دیتے ہیں۔

[۳۔ مشائخ نجاشی کی توثیق عام]

جنہوں نے توثیق عام اور ایک گروہ کی توثیق کی گواہی دی ان میں نجاشی ہیں کہ ان سے اپنے تمام مشائخ کی توثیق ظاہر ہوتی ہے کہ انہوں نے احمد بن محمد بن عبید اللہ بن حسن جوہری کے بارے میں فرمایا:

میں نے اس شیخ کو دیکھا یہ میرے اور میرے والد کے دوست تھے اور میں نے ان سے بہت کچھ سنا اور میں نے اپنے اساتذہ کو دیکھا کہ وہ اس کو ضعیف شمار کرتے تو میں نے اس سے کچھ نقل نہیں کیا اور ان کی روایات سے اجتناب کیا؛ «رایت هذا الشیخ وکان صدیقا لی ولوالدی وسمعت منه شیئا کثیرا، ورایت شیوخنا یضعفونه فلم اروعنه شیئا، وتجنبته ..»[۱].

اور محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبید اللہ بن بہلول کے بارے میں فرمایا:

ابتداء میں ثقہ وثبت تھے پھر خلط کا شکار ہوئے اور میں نے اپنے سب اصحاب کو دیکھا کہ وہ اس پر طعن کرتے اور اس کو ضعیف قرار دیتے... اور میں نے اس شیخ کو دیکھا اور اس سے بہت کچھ سنا پھر اس سے روایت کرنا چھوڑ دیا مگر اس کے اور میرے درمیان کوئی دوسرا راوی واسطہ ہو «وکان فی اول امره ثبتا ثم خلط، ورایت جل اصحابنا یغمزونه ویضعفونه .. رایت هذا الشیخ، وسمعت منه کثیرا، ثم توقفت عن الروایة عنه الا بواسطة بینی وبینه»[۲].

---

[۱]۔ رجال النجاشی ص۸۶ ن۲۰۷۔

[۲]۔ سابقہ ۳۹۶ ن۱۰۵۹۔

تبصرہ سید: اس میں شک نہیں کہ ان کے یہ بیانات اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ کسی ضعیف راوی سے بغیر واسطہ کے روایت نہیں کرتے پس ان کے تمام مشائخ اور اساتذہ کے ثقہ و معتمد ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

کبھی کہا جاتا ہے کہ ان کے کلام سے صرف یہ سمجھا جاتا ہے کہ وہ بلاواسطہ ان راویوں سے روایت نہیں کرتے جن میں کوئی طعن ہو یا جنہیں ضعیف قرار دیا گیا لیکن اس سے یہ تو نہیں سمجھا جاتا کہ وہ ان راویوں سے بھی روایت نہیں کریں گے جن کا ضعیف اور ثقہ ہونا معلوم نہیں جب ان کے تمام مشائخ کی وثاقت کا حکم ممکن نہ ہو [معجم رجال ا ص ۵۱] لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ ان کے کلام «ورایت جل اصحابنا ..» سے ظاہر ہے کہ انہوں نے اصحاب کو دیکھ کر اس راوی کو ضعیف سمجھا اور ضعیف راویوں سے بلا واسطہ نقل نہیں کی پس جن سے انہوں نے روایت کی وہ ضعیف نہیں ہوگا تو ثقہ ہوگا۔

واضح لفظوں میں یہ کہ ان کا مشائخ کو کسی راوی کی تضعیف دیکھ کر اس سے روایت نہ کرنے کا معنی یہ ہے کہ ان کا اس سے روایت نہ کرنا اس کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ہے نہ شیوخ کے اسے ضعیف قرار دینے کی وجہ سے، شاید یہ بات واضح ہے۔

[دیگر توثیقات عامہ]

یہ مہم توثیقات عامہ ہیں اور نجاشی کے عبید اللہ بن ابی شعبہ حلبی کے بارے میں بیان میں ائے گا: ال ابی شعبہ کوفہ میں گھرانہ ہے وہ سب ثقہ ہیں «ان ال ابی شعبة بیت بالکوفة وهم ثقات جمیعا»[1]۔

اور محمد بن حسن بن ابی سارہ کے بارے میں فرمایا: رواسی کا گھرانہ سب ثقہ ہے «ان بیت الرواسی کلهم ثقات»[1]۔

---

[1]۔ سابقہ ۲۳۰ ن ۶۱۲، نقل بالمعنی کیا ہے۔

اور شیخ طوسی کا علی بن حسن بن محمد طائی کے بارے میں یہ بیان ائے گا: جس سے علی بن حسن طاطری نے اپنی کتابوں میں روایت کی تو اس پر اور اس کی روایت پر اعتماد کیا جاتا ہے « روی علی بن الحسن الطاطری فی کتبه ممن یوثق به وبروایته»[2].

بقیہ دو امر

[کتاب مزار مشہدی کی توثیق عام]

امر ا: شیخ محمد بن مشہدی نے اپنی کتاب مزار کے شروع میں فرمایا:

میں نے اپنی اس کتاب میں مشاہد مشرفہ کی مختلف قسم کی زیارات جمع کیں اور جو کچھ مساجد مبارکہ اور منتخب دعاوں اور تعقیبات اور خدا سے بہترین قسم کی مناجات اور دعائیں نقل ہیں اور جو اہم معاملات میں دعائیں پناہ گاہ ہیں جو میں نے ثقہ راویوں کے ذریعہ سادات معصومین سے نقل کیں «فانی قد جمعت فی کتابی هذا من فنون الزیارات للمشاهد، وما ورد فی الترغیب فی المساجد المبارکات والادعیة المختارات وما یدعی به عقیب الصلوات وما یناجی به القدیم تعالی من لذیذ الدعوات والخلوات، وما یلجا الیه من الادعیة عند المهمات، مما اتصلت به ثقات الرواة الی السادات ..»[3].

ان کا یہ بیان اس کتاب کی روایات کی سندوں کے تمام راویوں کی توثیق میں صراحت رکھتا ہے لیکن اس پر دو وجوہات کی بناء پر اعتماد ممکن نہیں:

---

[1]۔ سابقہ ۴ ۲ ۳ ۲ ن ۸۸۴۔

[2]۔ فہرست شیخ ۹۲ ن ۳۸۰ فرمایا: اس کی فقہ میں کتابیں ہیں جن کو اس نے معتمد راویوں سے نقل کیا ہے۔

[3]۔ المزار الکبیر ص ۲۷۔

[۱] خود اس کتاب کا اعتبار ثابت نہیں کیونکہ محمد بن مشہدی کے حالات معلوم نہیں بلکہ ان کی شخصیت بھی معلوم نہیں اگرچہ محدث نوری نے اصرار کیا کہ وہ محمد بن جعفر بن علی بن جعفر مشہدی حائری ہیں، اور ان کا بیان سوائے ظن و گمان کے کچھ فائدہ نہیں دیتا۔

[۲] محمد بن مشہدی متاخرین میں سے ہیں اور پہلے گزر چکا ہے کہ متاخرین کی بہت پہلے گزر جانے والے راویوں کی توثیق کرنا معتبر نہیں ہوتا [معجم رجال ا ص ۵۲]، اور ہم نے بیان کیا کہ متاخرین کی بہت پہلے گزر جانے والے راویوں کی توثیق ان کی فکر کاوش اور اجتہاد ہوتا ہے وہ معتبر نہیں۔

شیخ صدوق کی مقنع کی توثیق عام

امر ۲: شیخ صدوق نے اپنی کتاب مقنع کے شروع میں فرمایا:

میں نے سندیں اس وجہ سے حذف کر دیں کہ ان کا اٹھانا گران نہ ہو اور ان کا یاد کرنا مشکل نہ ہو اور اس کا پڑھنے والا تھک نہ جائے کیونکہ جو کچھ میں اس میں بیان کروں گا وہ اصول و کتب میں موجود ہے جو مشائخ و علماء اور ثقہ فقہاء سے نقل ہوا ہے «وحذفت الاسناد منه لئلا يثقل حمله، ولا يصعب حفظه، ولا يمله قاريه، اذ كان ما ابينه فيه فی الكتب الاصولية موجودا مبينا عن المشايخ العلماء الفقهاء الثقات رحمهم الله»[۱].

کبھی اس کلام سے سمجھا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی اس کتاب کے راویوں کی توثیق کر دی ہے اور اس کتاب کو صحیح خبر کی طرح سمجھا جائے۔

لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے کہ شیخ صدوق کی مراد یہ نہیں کہ جو کچھ انہوں نے اس کتاب میں ذکر کیا وہ ثقہ راویوں کے ذریعہ معصوم تک پہنچا بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ ان کے ثقہ و

---

[۱]۔ مقنع شیخ صدوق مقدمہ ملاحظہ ہو۔

معتمد مشائخ نے ان روایات کو نقل کیا اور وہ ان روایات کے صحیح ہونے کا حکم لگاتے ہیں جن کو ثقہ فقہاء نے نقل کیا ہو اور ان کو اپنی کتابوں میں لکھا ہو۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شیخ صدوق نے مشائخ کے علماء فقہاء ثقات ہونے کو ذکر کیا اور روایات کا پورا سلسلہ سند ایسے راویوں پر مشتمل ہو ایسا بہت کم ہوتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی پوری کتاب کے منقولات میں یہ دعوی کریں۔

بشارۃ المصطفیؐ کی توثیق عام

اس سے ظاہر ہوا جو طبری نے اپنی کتاب "بشارۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" کے مقدمہ میں فرمایا: میں اس میں صرف باسند روایات کو ذکر کروں گا جو بڑے مشائخ اور ثقہ اخیار کے واسطہ سے نقل ہوئیں «ولا اذکر فیه الا المسند من الاخبار، عن المشایخ الکبار والثقات الاخیار»[1].

نیز یہ کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ متاخرین کی بہت پہلے گزر جانے والے راویوں کی توثیق کرنا معتبر نہیں ہوتا. [معجم رجال ا ص ۵۳]

---

[1] ۔ بشارۃ المصطفی، مقدمہ۔

مقدمہ چہارم: دیگر توثیقات عامہ کی تحقیق

دیگر توثیقات عامہ کے منبع کی تحقیق

اور ان توثیقات کا حجت نہ ہونا

اور ان کے کلام کا توثیق پر دلالت نہ کرنا. [معجم رجال ا ص ۵۵]

دیگر توثیقات عامہ کے درج ذیل موارد ذکر ہوئے:

ا۔رجال شیخ میں امام صادقؑ کے اصحاب کی توثیق

کہا گیا کہ جن کو شیخ طوسی نے امام صادقؑ کے اصحاب میں اپنے رجال میں ذکر کیا وہ سب ثقہ اور معتمد ہیں اور اس کے لیے انہوں نے شیخ مفید کے کلام سے استدلال کیا جو انہوں نے امام صادقؑ کے صحاب کے بارے میں فرمایا:

اصحاب حدیث نے امام صادقؑ سے روایت کرنے والوں کے نام جمع کرئے جو مختلف نظریات اور اراء کے باوجود ثقہ اور معتمد تھے اور ان کی تعداد چار ہزار ہے «ان اصحاب الحديث قد جمعوا اسماء الرواة عنه ع من الثقات على اختلافهم فى الاراء والمقالات فكانوا اربعة الاف»[1].

اور ابن شہر اشوب نے فرمایا:

امام صادقؑ سے ایسے علوم نقل ہوئے جو دوسرے کسی سے نقل نہیں ہوئے اور اصحاب حدیث نے ان سے ثقہ راویوں کے نام جمع کئے جو مختلف اراء و نظریات سے متعلق تھے اور ان کی تعداد چار ہزار ہے «نقل عن الصادق ع من العلوم ما لم ينقل عن احد. وقد

[1]۔الارشاد ۲ص۱۷۹۔

جمع اصحاب الحديث اسماء الرواة من الثقات على اختلافهم فى الاراء والمقالات، وكانوا اربعة الاف رجل»[۱].

اور فرمایا: ابن عقدہ نے امام صادقؑ کے اصحاب کے برے میں کتاب لکھی ان کی تعداد تھی ...«ان ابن عقدة مصنف كتاب الرجال لابى عبد الله عددهم فيه ..». اور شیخ طوسی نے اپنی کتاب رجال کے شروع میں ذکر کیا کہ وہ اس میں ابن عقدہ کے بیان کردہ تمام راویوں کو ذکر کریں گے۔

اس نظریہ کی طرف شیخ حر عاملی نے میلان ظاہر کیا کہ انہوں نے کتاب امل امل میں خلید بن اوفی ابی الربیع شامی کے بارے میں فرمایا:

اگر اس کی توثیق اور امام صادقؑ کے تمام اصحاب کی توثیق کو اختیار کیا جائے۔ مگر جن کا ضعیف ہونا ثابت ہو۔ تو بعید نہیں کیونکہ شیخ مفید نے ارشاد میں اور ابن شہر اشوب نے معالم العلماء اور طبرسی نے اعلام الوری[۲] میں ان کی توثیق کی جو امام صادقؑ کے چار ہزار اصحاب تھے اور ان میں سے جو کتب رجال وحدیث میں موجود ہیں وہ تین ہزار تک نہیں پہنچتے اور علامہ حلی وغیرہ نے ذکر کیا کہ ابن عقدہ نے کتب رجال میں چار ہزار جمع کئے؛ «ولو قيل بتوثيقه وتوثيق جميع اصحاب الصادق ع الا من ثبت ضعفه لم يكن بعيدا، لان المفيد فى [معجم رجال۱ص۵۶] الارشاد، وابن شهراشوب فى معالم العلماء والطبرسى فى اعلام الورى قد وثقوا اربعة الاف صحابى امام صادق ع، والموجود منهم

۱۔ المناقب ۴ص۲۴۷۔

۲۔ اعلام الوری؛ص۲۷۶۔

فی کتب الرجال والحدیث لا یبلغون ثلاثة الاف. وذکر العلامة وغیره ان ابن عقدة جمع الاربعة الاف المذکورین فی کتب الرجال ..»[1].

تبصرہ سید: اس معاملہ میں اصل و اساس شیخ مفید کی عبارت ہے اور ابن شہر اشوب وغیرہ نے ان کی پیروی کی اور ابن عقدہ کی طرف اگرچہ نسبت دی گئی کہ اس نے امام صادق کے چار ہزار اصحاب کو جمع کیا اور ان میں سے ہر ایک کی حدیث ذکر کی مگر ان کی طرف ان سب کی توثیق منسوب نہیں.

اور محدث نوری نے گمان کیا کہ یہ توثیق ابن عقدہ نے کی لیکن یہ یقینا باطل ہے۔

بہر حال اس دعوی کی تصدیق نہیں کی جاسکتی، پس اگر اس سے مراد لیا جائے کہ امام صادقؑ کے اصحاب چار ہزار تھے اور وہ سب ثقہ تھے تو یہ نبی اکرم ﷺ کے تمام اصحاب کو عادل کہنے والوں کے دعوی کی مانند ہے، پھر یہ ان بہت سے موارد سے مخالف ہے جہاں شیخ طوسی نے اپ کے اصحاب کو ضعیف قرار دیا جیسے ابراہیم بن ابی حبہ، حارث بن عمر بصری، عبد الرحمٰن بن ہلقام، عمرو بن جمیع، اور دوسرے افراد۔

بلکہ ابو جعفر دوانیقی کو شیخ طوسی نے کتاب رجال میں امام صادقؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے تو کیا اس کو بھی ثقہ و معتمد مان لیا جائے گا؟

اور یہ دعوی کیسے صحیح ہو سکتا ہے جبکہ اس میں شک نہیں کہ مختلف اراء اور نظریات کے حامل سے تشکیل پانے والی اتنی بڑی جماعت میں سب کا ثقہ ہونا عادۃ محال ہے ہے۔

اور اگر اس دعوی سے مراد یہ لیا جائے کہ امام صادق کے اصحاب بہت زیادہ تھے مگر ان میں ثقہ و معتمد چار ہزار تھے، تو خود یہ دعوی قابل تصدیق ہوتا لیکن یہ حقیقت کے مخالف ہے کہ احمد بن نوح نے ابن عقدہ کے جمع کردہ اصحاب امام صادق میں اضافہ کیا جیسا کہ نجاشی نے

---

[1]۔ امل الآمل؛ ج ا ص ۸۳۔

ذکر کیا اور وہ اضافہ بہت زیادہ ہے جیسا کہ شیخ نے احمد بن نوح کے بارے میں بیان کیا، [معجم رجال ا ص ۵۷] اور شیخ طوسی کے تمام اصحاب کو جمع کرنے کے شوق کے باوجود کہ انہوں نے ان اصحاب کو بھی جمع کیا جن کو ابن عقدہ میں نہیں لکھا تھا جیسا کہ انہوں نے رجال کے شروع میں بیان کیا اسی لیے انہوں نے ابو جعفر دوانیقی کو بھی امام صادق کا صحابی لکھ دیا اور ان سب کی تعداد ان کے رجال میں تین ہزار سے تھوڑی زیادہ ہے۔

اور اگر اس دعوی کو مان لیا جائے تو اس سے کوئی علمی اثر نہیں لیا جا سکتا فرض کریں امام صادق کے اصحاب کی تعداد اٹھ ہزار ہو اور ان میں سے چار ہزار ثقہ ہوں لیکن ہمیں ان ثقہ کے نام پہنچاننے کا کوئی راہ نہیں اور کوئی دلیل بھی نہیں کہ جن کو شیخ نے اپنی کتاب میں جمع کیا وہ صرف ثقہ ہیں بلکہ ایسا نہ ہونے پر دلیل قائم ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔

۲-اصحاب اجماع کی سند

جس توثیق عام کے ثابت ہونے کا کہا گیا اس میں کسی راوی کا ایسی روایت کی سند میں واقع ہونا ہے جسے کسی صحابی اجماع نے نقل کیا ہو۔اور وہ اٹھارہ شخص ہیں جیسا کہ بیان ہوگا تو علماء کی ایک جماعت نے ان راویوں کی تمام حدیثوں کے صحیح ہونے کا حکم لگایا جب صحابی اجماع تک سند صحیح ہو حتی اس وقت بھی جب صحابی اجماع ایسے شخص سے روایت کر رہا ہو جس کا فسق اور فجور اور جھوٹ و جعلکار ہونا مشہور ہو چہ جائیکہ جب وہ کسی مجہول یا مہمل راوی سے روایت کرے یا اس کی روایت مرسلہ ہو اور اس قول کو صراحت کے ساتھ صاحب وسائل نے اپنی کتاب کے خاتمہ کے ساتویں فائدہ میں اختیار کیا ہے.

تبصرہ سید: اس دعوی کی اصل واساس ابو عمرو کشی کے رجال کی عبارت ہے:

۱) انہوں نے امام باقر و صادقؑ کے اصحاب میں فقہاء کے نام بیان کرتے ہوئے فرمایا:

گروہ شیعہ امام باقر وامام صادقؑ کے ان پہلے اصحاب کی تصدیق پر اجماع اور اتفاق رکھتی ہے اور ان کے لیے فقاہت کی قائل ہے اور وہ کہتے ہیں کہ پہلے اصحاب میں چھ سب سے بڑے فقیہ تھے: زرارہ، معروف بن خربوذ، برید، ابو بصیر اسدی، فضیل بن یسار، محمد بن مسلم طائفی اور انہوں نے کہا: ان چھ میں بڑے فقیہ زرارہ ہیں اور بعض نے ابو بصیر اسدی کی جگہ ابو بصیر مرادی کہا اور وہ لیث بن بختری ہیں: «اجمعت العصابة علی تصدیق هؤلاء الاولین صحابی ابی جعفر ع، واصحاب ابی عبد الله ع وانقادوا لهم بالفقه، فقالوا افقه الاولین ستة: زرارة، ومعروف بن خربوذ، وبرید، وابوبصیر الاسدی، والفضیل بن یسار، ومحمد بن مسلم الطائفی. قالوا: وافقه الستة: زرارة. وقال بعضهم: مکان ابی[معجم رجال۱ص۵۸]بصیر الاسدی ابوبصیر المرادی، وهولیث بن البختری»[۱].

۲) اور انہوں نے امام صادقؑ کے اصحاب میں سے فقہاء کے نام بیان کرتے ہوئے فرمایا:

گروہ شیعہ ان سے جو صحیح ہو اس کے صحیح ہونے اور ان کے اقوال کی تصدیق پر اتفاق کیا اور ان کے لیے فقاہت کا اقرار کیا وہ وہ سابقہ چھ کے علاوہ ہیں: جمیل بن دراج، عبداللہ بن مسکان، عبداللہ بن بکیر، حماد بن عثمان، حماد بن عیسی، اور کہا: ابو اسحاق فقیہ جو کہ ثعلبہ بن میمون ہیں ان کا گمان ہے کہ ان سب میں بڑے فقیہ جمیل بن دراج ہیں اور وہ امام صادق کے جوان اصحاب تھے؛ «اجمعت العصابة علی تصحیح ما یصح عن هؤلاء وتصدیقهم لما یقولون، واقروا لهم بالفقه من دون اولئک الستة الذین

---

[۱] ۔رجوع ہو رجال ابو عمرو کشی۔

عددناهم وسميناهم ستة نفر: جميل بن دراج، وعبد الله بن مسكان، وعبد الله بن بكير، وحماد بن عثمان، وحماد بن عيسى، وابان بن عثمان قالوا: وزعم ابواسحاق الفقيه- وهوثعلبة بن ميمون- ان افقه هؤلاء جميل بن دراج، وهم احداث اصحاب ابى عبد الله ع»[1].

۳) اور امام کاظم و امام رضاؑ کے اصحاب میں فقہاء کے نام بیان کرتے ہوئے فرمایا: ہمارے اصحاب کا اتفاق ہے جو ان سے صحیح ہو اس کو صحیح سمجھا جائے اور ان کی تصدیق کی جائے اور وہ ان کے لیے علم و فقاہت کا اقرار کرتے تھے اور وہ سابقہ چھ کے علاوہ ہیں: یونس بن عبدالرحمٰن، صفوان بن یحیٰی پارچہ فروش، محمد بن ابی عمیر، عبداللہ بن مغیرہ، حسن بن محبوب، اور احمد بن محمد بن ابی نصر، اور بعض نے حسن بن محبوب کی جگہ حسن بن علی بن فضال اور فضالہ بن ایوب کا نام لیا: اور بعض نے فضالہ بن ایوب کی جگہ عثمان بن عیسی کا نام لیا اور ان سب میں بڑے فقیہ یونس بن عبدالرحمٰن اور صفوان بن یحیٰی ہیں «اجمع اصحابنا على تصحيح ما يصح عن هؤلاء وتصديقهم واقروا لهم بالفقه والعلم، وهم ستة نفر اخر، دون الستة نفر الذين ذكرناهم فى اصحاب ابى عبد الله ع، منهم: يونس بن عبد الرحمن، وصفوان بن يحيى بياع السابرى، ومحمد بن ابى عمير، وعبد الله بن المغيرة، والحسن بن محبوب، واحمد بن محمد بن ابى نصر، وقال بعضهم: مكان الحسن بن محبوب الحسن بن على بن

---

[1] ۔ سابقہ حوالہ۔

فضال، وفضالة بن ایوب. وقال بعضهم: مکان فضالة بن ایوب عثمان بن عیسی، وافقه هؤلاء یونس بن عبد الرحمن، وصفوان بن یحیی»[1].

اور ابو عمرو کشی کے بعد انے والوں نے ان سے یہ اجماع نقل کیا یا ان کی پیروی میں اجماع کا دعوی کیا پس سید بحر العلوم نے ان کے اسماء کو نظم میں پیش کیا؛ لیکن انہوں نے رجال میں ابن ابی عمیر کے بارے میں فرمایا: [معجم رجال‌اص۵۹] اجماع کا دعوی کشی سے نقل ہوا ہے اور ان کی نقل پر اعتماد کیا گیا اور زید نرسی کی اصل کے صحیح ہونے کا حکم لگایا کیونکہ اس کا راوی ابن ابی عمیر ہے۔

بہر حال ظاہر ہے کہ ابو عمرو کشی کے کلام میں ہر گز یہ بیان نہیں کہ ان مذکورہ راویوں کی کسی معصومؑ سے روایت کو صحیح قرار دیا حتی جب وہ مرسلہ ہو یا کسی ضعیف یا مجہول راوی سے منقول ہو بلکہ اس عبارت میں ان راویوں کی جلالت اور عظمت کو بیان کرنا مقصود ہے اور ان کی وثاقت اور فقیہ ہونے اور ان کی روایات کی تصدیق کرنے پر اجماع کا دعوی ہے. اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنی روایات میں جھوٹ نہیں بولتے اس سے ان کی معصومین سے منقول تمام روایات کے صحیح ہونے ہونے پر اجماع کے دعوی کا کوئی تعلق نہیں اگرچہ واسطہ مجہول یا ضعیف ہو؟!.

ابو علی حائری نے اپنی رجال کے مقدمہ پنجم میں اصحاب اجماع کی بحث میں فرمایا: سید استاد صاحب ریاض نے دعوی کیا کہ انہیں کتب فقہیہ میں اول طہارت سے لیکر اخر کتاب دیات تک کسی فقیہ کا عمل نہیں ملا کہ وہ کسی ضعیف روایت پر اس وجہ سے عمل کریں کہ اس کا کوئی راوی ان اصحاب اجماع میں سے ہے اور سند اس تک صحیح ہے «وادعی السید الاستاذ دام ظله- السید علی صاحب الریاض- انه لم یعثر فی الکتب الفقهیة- من

---

[1] ۔سابقہ حوالہ۔

اول كتاب الطهارة الى اخر كتاب الديات- على عمل فقيه من فقهائنا بخبر ضعيف محتجا بان فى سنده احد الجماعة وهواليه صحيح»[1].

تبصرہ سید خوئی: ضروری ہے کہ سید صاحب ریاض کی مراد علامہ حلی سے پہلے علماء کی عبارتیں ہیں ورنہ ان کے بعد متاخرین کی عبارتوں میں ایسے بیانات موجود ہیں جیسے شہید ثانی وعلامہ مجلسی اور شیخ بہائی، اور بعید ہے کہ انہوں نے ان کو نہ دیکھا ہو۔

[صاحب وافی کا منصفانہ بیان]

پھر یہ تصحیح جو علماء کے بیانات میں اصحاب کی طرف منسوب ہے ان میں صاحب وسائل ہیں جیسا کہ جان چکے اور محقق فیض کاشانی نے اپنی کتاب وافی کے شروع میں اسے متاخرین کی طرف نسبت دی اس سے ظاہر ہے کہ انہیں یہ بات متقدمین کے کلمات میں نہیں ملی انہوں نے اپنی کتاب کے دوسرے مقدمہ میں ابو عمرو کشی کی عبارتیں نقل کرنے کے بعد فرمایا: متاخرین کی ایک جماعت نے ان کی اس عبارت سے کہ گروہ شیعہ یا اصحاب ان سے صحیح نقل ہونے والی روایات کے صحیح ہونے پر متفق ہیں سمجھا کہ ان سے منقول روایات صحیح ہے اور تک سند صحیح ہو تو اس کی نسبت اہل بیت سے ثابت ہو گی بغیر اس کے کہ جن سے انہوں نے روایت کی ان کی توثیق اور عدالت معتبر ہو حتیٰ اگر وہ مشہور بالفسق یا جعلکار سے روایت کریں چہ جائیکہ جب وہ روایت مرسلہ کریں تو وہ صحیح اور اہل بیت کی طرف منسوب ہو گی اور اپ جانتے ہیں کہ یہ عبارت اس مطلب میں نہ صراحت رکھتی ہے اور نہ اس میں ظہور رکھتی ہے بلکہ جو ان سے صحیح ہے وہ روایت ہے نہ مروی بلکہ جیسا یہ احتمال دیا جاتا ہے یہ بھی احتمال ہے کہ وہ ان کی عدالت اور صداقت پر اجماع ہونے سے کنایہ ہو لیکن جن کی عدالت پر اجماع نقل نہیں ہوا ان کے خلاف ہے «وقد فهم جماعة من المتاخرين من قوله اجمعت

---

[1]

العصابة اوالاصحاب على[معجم رجال۱ص۶۰] تصحيح ما يصح عن هؤلاء الحكم بصحة الحديث المنقول عنهم ونسبته الى اهل البيت ع بمجرد صحته عنهم، من دون اعتبار العدالة فى من يروون عنه، حتى لورووا عن معروف بالفسق، اوبالوضع فضلا عما لوارسلوا الحديث كان ما نقلوه صحيحا محكوما على نسبته الى اهل بيت العصمة ص. وانت خبير بان هذه العبارة ليست صريحة فى ذلک ولا ظاهرة فيه، فان ما يصح عنهم انما هوالرواية لا المروى. بل كما يحتمل ذلک يحتمل كونها كناية عن الاجماع على عدالتهم وصدقهم، بخلاف غيرهم ممن لم ينقل الاجماع على عدالته».

تبصرہ سید: ان کا بیان متین اور محکم ہے اس میں کوئی شک نہیں پھر اگر مان لیا جائے اور فرض کریں کہ ابو عمرو کشی کی عبارت اس مطلب میں صراحت رکھتی ہے جو اس گروہ کی طرف منسوب ہے اور صاحب وسائل نے اختیار کیا تو زیادہ سے زیادہ ان کی معصومینؑ سے روایت کی حجیت پر اجماع کو تعبداً مان جائے اگرچہ ان میں واسطہ ضعیف یا مجہول ہو تو یہ دعوی ایک حکم شرعی پر اجماع کی مانند ہو اور اصول کی بحثوں میں بیان ہوا کہ خبر واحد سے منقول اجماع حجت نہیں اور خبر واحد کے حجت ہونے کی دلیل حدسی اخبار کو شامل نہیں۔

بقیہ امر: وہ یہ ہے کہ کبھی کہا جاتا ہے کہ ان سے صحیح نقل ہونے روایات کے صحیح ہونے پر اجماع کا دعوی ان کی روایات کے تعبداً حجت ہونے کو نہیں پلٹتا جیسا کہ صاحب وسائل قائل ہیں بلکہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ صرف ثقہ و معتمد راویوں سے نقل کرتے ہیں اس بناء پر ان کی مرسلہ روایات۔

اور باسند روایات سب معتمد ہیں اگرچہ ان کے بعض واسطے مجہول یا مہمل ہوں لیکن یہ بات یقینا فاسد ہے اس بات کا ابو عمرو کشی کے کلام سے کئی تعلق نہیں۔

اور اگر یہ مراد ہونا مان لیا جائے تو بلا شک و شبہہ یہ دعوی ہی فاسد ہے کیونکہ اصحاب اجماع نے کئی موارد میں ضعیف راویں سے روایات نقل کی ہیں جن کو اس کتاب میں ان کے راویوں کے تفصیلی تعارف میں جان لو گے ان شاء اللہ تعالی اور بعض کو ہم عن قریب ذکر کریں گے۔ [معجم رجال ا ص ۶۱]

۳- صفوان اور ان جیسے افراد کا کسی سے روایت کرنا

جس چیز کا توثیقات عامہ میں ثابت ہونے کا کہا گیا ہے وہ صفوان یا ابن ابی عمیر یا احمد بن محمد بن ابی نصر بزنطی اور ان جیسے بلند پایہ راویوں کی کسی سے روایت کرنا ہے کہ ان کے بارے میں کہا گیا کہ وہ صرف ثقہ و معتمد راویوں سے راویت کرتے ہیں اس لیے ان کی مرسلہ اور باسند روایات کو بھی لیا جاتا ہے اگرچہ ان کے درمیان واسطہ مجہول یا مہمل ہو

تبصرہ سید: اس دعوی کی اصل و اساس شیخ طوسی کا بیان ہے جو انہوں نے کتاب عدۃ الاصول میں خبر واحد کی بحث کے اخر میں دیا ہے فرمایا:

جب دو میں سے ایک کا راوی مسند ہو اور دوسرا مرسل تو مرسل بیان کرنے والے کا حال دیکھا جائے اگر معلوم ہو کہ وہ صرف ثقہ و معتمد راوی سے ارسال کرتا ہے تو دوسرے کی خبر کو اسکی روایت پر ترجیح نہیں، اس لیے گروہ شیعہ نے محمد بن ابی عمیر، صفوان بن یحییٰ اور بزنطی وغیرہ ثقات جن کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ صرف ثقہ سے مرسلہ روایت بیان کرتے ہیں ان کی مرسلہ روایات کو دوسروں کی مسند روایات کے برابر قرار دیا ہے «واذا کان احد الراویین مسندا والاخر مرسلا، نظر فی حال المرسل. فان کان ممن یعلم انه لا یرسل الا عن ثقة موثوق به، فلا ترجیح لخبر غیره علی خبره، ولاجل ذلک سوت الطائفة بین ما یرویه محمد بن ابی عمیر، وصفوان بن

يحيى، واحمد بن محمد بن ابى نصر، وغيرهم من الثقات الذين عرفوا بانهم لا يروون ولا يرسلون الا عمن يوثق به، وبين ما اسنده غيرهم ..»[۱].

[شیخ کے دعوی میں نقد و نظر]

لیکن یہ دعوی باطل ہے اور شیخ کا اجتہاد اور ان کی فکری کاوش ہے جسے انہوں نے اصحاب کے ان افراد کی مرسلہ اور دوسروں کی مسندہ روایات کے برابر قرار دینے سے سمجھا اور یہ بات کامل نہیں ہے کیونکہ:

۱) اولا تو یہ برابری ثابت نہیں ہے اگرچہ اس کو نجاشی نے ابن ابی عمیر کے بارے میں ذکر کیا اور اس کا سبب ان کی کتابوں کا ضائع ہونا بیان کیا[۲] لیکن اگر یہ برابری ثابت ہوتی تو علماء میں مشہور اور معروف اور اصحاب میں متفق علیہ ہوتی اور دوسرے قدماء کے کلام میں بھی بیان ہوتی حالانکہ دوسروں کے کلام میں اس کا کوئی نام و نشان نہیں اور اطمینان ہے کہ اس دعوی کا منبع کشی کا ان کی روایات کے صحیح ہونے پر اجماع کا دعوی ہے اور شیخ نے یہ سمجھا کہ اس اجماع کا سبب یہ ہے کہ وہ صرف ثقہ راویوں سے نقل کرتے ہیں اور اس کا باطل ہونا بیان ہو چکا ہے اور اس کی تاکید اس بات سے ہوتی ہے کہ شیخ نے ان اس بات کو ان تین تک منحصر نہیں کیا بلکہ دوسرے ثقات کے لیے بھی عام کر دیا جو صرف ثقہ سے روایت کرنے میں معروف ہیں اور ظاہر ہے کہ سوائے اصحاب اجماع کے کوئی اس بات میں مشہور نہیں [معجم رجال ا ص ۶۲] جن کو کشی نے اصحاب اجماع میں ذکر کیا بلکہ خود شیخ ان تین کے علاوہ کسی کے بارے میں ایسا بیان نہیں دیتے۔ اور شیخ کے اس برابری کے دعوی کو اصحاب کی طرف نسبت دینے کے ان کے اجتہادی نظریہ ہونے اور خود اس نظریہ کے ثابت نہ ہونے کی دلیل یہ بھی

---

[۱]۔ رجوع ہو عدۃ الاصول شیخ طوسی۔

[۲]۔ رجوع ہو رجال نجاشی۔

ہے کہ شیخ نے خود ابن ابی عمیر کی مرسلہ روایت از زرارہ از امام باقرؑ نقل کی پھر تہذیبین میں فرمایا: اس روایت میں پہلی مشکل یہ ہے کہ یہ مرسلہ ہے اور جو ایسی روایت ہو وہ مسند روایات سے معارض و مخالف نہیں کرسکتی: «فاول ما فیه انه مرسل، وما هذا سبیله لا یعارض به الاخبار المسندة»[1]. اور انہوں نے مرسلہ عبد اللہ بن مغیرہ امام صادقؑ سے نقل کی اور تہذیب میں فرمایا: یہ روایت مرسلہ ے اور استبصار میں فرمایا: اس روایت میں پہلی مشکل یہ ہے کہ یہ مرسلہ ہے، اس کے علاوہ موارد جن میں شیخ نے ان اصحاب کی مرسلہ روایات پر نقد کیا اگرچہ وہ مرسلہ ابن ابی عمیر وغیرہ اصحاب اجماع کی ہو اور اس سے پہلے کتب اربعہ کی روایات کے قطعی و یقینی ہونے کی کی بحث میں گزر چکا کہ شیخ نے ابن بکیر وابن فضال کی روایت کو مرسلہ قرار دیا جو مسند روایات سے مقابلہ نہیں کرسکتی۔

۲) ثانیا: اگر ان کی مرسل اور دوسروں کی مسند میں برابری کو مان لیا جائے اور یہ کہ اصحاب نے ان جیسے راویوں کی مرسلہ روایات پر عمل کیا ہو تو اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ اس کا سبب یہ ہو کہ وہ صرف ثقہ افراد سے روایت کرتے ہیں بلکہ قوی گمان ہے کہ اس کا سبب یہ ہو کہ وہ اصحاب ہر امامی کی روایت کو حجت مانتے ہوں جس کا فسق ظاہر نہ ہو اور ثقہ ہونا ضروری نہ ہو جیسا کہ یہ نظریہ قدماء کی طرف منسوب ہے اور متاخرین کی ایک جماعت نے اس کو اختیار کیا ہے ان میں علامہ حلی ہیں کہ انہوں نے احمد بن اسماعیل بن عبد اللہ کے بارے میں ان کا بیان ائے گا. اس لیے اس برابری کو [معجم رجال اص ٦٣] ان کے لیے کوئی اثر نہیں جو خبر کے حجت ہونے میں راوی کا ثقہ ہونا ضروری سمجھتے ہیں۔

۳) ثالثا: یہ دعوی کہ یہ تین اور ان جیسے ثقہ صرف معتمد افراد سے روایت کرتے ہیں جب تک ثابت نہ ہو کوئی اعتبار نہیں رکھتا بلکہ اس کو ثابت کرنا کانٹے دار درخت پر ہاتھ

---

[1] رجوع ہو استبصار۔

پھیرنے سے زیادہ سخت ہے کیونکہ جب تک خود راوی اس کی تصریح نہ کرے اس کو سمجھنا بہت مشکل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ ان راویوں میں سے کسی کی طرف ایسا دعوی منسوب نہیں اور اس بات کو سمجھنے کا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں زیادہ سے زیادہ ان کی کسی ضعیف سے روایت نہیں ملی لیکن اس سے ایسی روایت کا اصلا نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا اگر یہ دعوی ثابت ہو تو یہ مسندہ روایات میں ہوگا مرسلہ میں تو ثابت نہیں ہوسکتا کہ ابن ابی عمیر سے خود راویوں کے نام ضائع ہوگئے جب ان کی کتابیں نابود ہوئیں تو وہ مجبورا مرسلہ بیان کرتے جیسا کہ ان کے بارے میں بیان ہوگا تو کسی دوسرے کے لیے کیسے ممکن ہے کہ وہ ان سب کو جان لے اور ان کی وثاقت کا دعوی کرے یہ دعوی یقینا باطل ہے۔

[اصحاب اجماع کی ضعیف راویوں سے روایات کے موارد]

۴) رابعا: ان راویوں کی ضعیف راویوں سے روایت کرنا کئی موارد میں ثابت ہے ان میں سے بعض کو شیخ طوسی نے خود بھی ذکر کیا ہے اور معلوم نہیں اس کے باوجود کیسے یہ دعوی کردیا کہ وہ ضعیف راویوں سے ہرگز روایت نہیں کرتے؟ یہ صفوان نے علی بن ابی حمزۃ بطائنی سے اس کی کتاب نقل کی اسے شیخ نے ذکر کیا جبکہ اس بطائنی کے بارے میں علی بن حسن بن فضال نے فرمایا: «کذاب ملعون». اور محمد بن یعقوب سند صحیح سے صفوان بن یحیٰی از علی بن ابی حمزۃ روایت نقل کی. اور شیخ نے بسند صحیح از صفوان، وابن ابی عمیر از یونس بن ظبیان روایت نقل کی، اور یونس بن ظبیان کو نجاشی وشیخ نے ضعیف قرار دیا.

اور شیخ نے بسند صحیح عن صفوان بن یحیٰی عن ابی جمیلۃ روایت نقل کی اور ابوجمیلہ مفضل بن صالح ہے جسے نجاشی نے ضعیف قرار دیا. [معجم رجال ا ص ٦۴] اور انہوں نے بسند صحیح عن صفوان، عن عبداللہ بن خداش روایت کی اور اس عبداللہ بن خداش کو نجاشی نے ضعیف قرار دیا.

اور یہ ابن ابی عمیر ہیں انہوں نے علی بن ابی حمزہ بطائنی سے اس کی کتاب نقل کی جس کو نجاشی و شیخ نے ذکر کیا[۱]۔

اور محمد بن یعقوب نے بسند صحیح عن ابن ابی عمیر عن علی بن ابی حمزہ روایت کی۔ اور انہوں نے بسند صحیح عن ابن ابی عمیر عن الحسین بن احمد المنقری روایت کی اور اس حسین بن احمد منقری کو نجاشی و شیخ نے ضعیف قرار دیا ہے، اور شیخ نے بسند صحیح عن ابن ابی عمیر، عن علی بن حدید روایت نقل کی اور اس علی بن حدید کو شیخ طوسی نے تہذیب میں شدت سے ضعیف قرار دیا اور اس کی یونس بن ظبیان سے روایت ابھی گزر چکی ہے۔

اور ان کی مجہول الحال راویوں سے روایات تو بہت زیادہ ہیں جن کو ان کے متعلقہ موارد میں جان لو گے ان شاء اللہ تعالی۔

اور یہ احمد بن محمد بن ابی نصر ہیں انہوں نے مفضل بن صالح سے کئی موارد میں روایت کی اور کئی موارد میں اس سے ابو جمیلہ کے عنوان سے روایت کی اور محمد بن یعقوب نے بسند صحیح، عن احمد بن محمد بن ابی نصر عن المفضل بن صالح روایت کی۔ اور انہوں نے بسند صحیح عن احمد بن محمد بن ابی نصر، عن عبد اللہ بن محمد الشامی روایت کی اور اس عبد اللہ بن محمد شامی کو ضعیف قرار دیا گیا۔ اور شیخ طوسی نے بسند صحیح، عن احمد بن محمد بن ابی نصر، عن الحسن [معجم رجال اص ۶۵] بن علی بن ابی حمزۃ روایت کی اور اس حسن بن علی بن ابی حمزہ کو ضعیف قرار دیا گیا۔

پھر ہم نے ان کے ضعیف راویوں سے روایت کے بعض موارد بیان کئے اور وہ انہی میں منحصر نہیں بلکہ کو ہم وہاں بیان کریں گے جہاں ان راویوں کے نام لکھیں کے جن سے انہوں نے روایات نقل کیں۔

---

[۱]۔ رجوع ہو رجال نجاشی، فہرست شیخ طوسی۔

[بزعم راوی ثقہ سے روایت کرنے کا نقد]

اگر کہو: ان کے ضعیف راویوں سے روایت کرنا شیخ کے دعوی کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتا کہ وہ صرف ثقہ راویوں سے روایت کرتے ہیں کیونکہ شیخ کے کلام سے ظاہر ہے کہ وہ بزعم خود جن کو ثقہ سمجھتے ان سے روایت کرتے تو ان کا کسی سے روایت کرنا اس بات کی گواہی ہے کہ وہ ثقہ ہے جب تک اس گواہی کے خلاف ثابت نہ ہو اس کو اخذ کیا جائے گا اور ان مذکورہ مقامات پر مخالفت ثابت ہو گئی وہاں جمع کی جائے

اس کا جواب دیا جائے گا کہ یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ شیخ کی مراد یہ ہے کہ وہ صرف اس ثقہ سے روایت کرتے ہیں جو حقیقت میں معتمد ہو نہ وہ معتمد جو ان کی نظر میں معتمد ہو کیونکہ اگر ایسی بات ہوتی تو ان کی مرسلہ اور دوسروں کی مسندہ روایات میں برابری کا حکم ممکن نہ ہوتا کیونکہ جب ان کی ضعیف راویوں سے روایت ثابت ہوا اگرچہ وہ ان کے نظریہ میں ثقہ ہوں تو ان کی مرسلہ روایات کے صحیح ہونے کا حکم ممکن نہ ہوتا کیونکہ احتمال ہے کہ واسطہ وہی ضعیف راوی ہو تو اس کو کیسے لیا جاسکتا ہے؟

[محقق حلی کا مرسلہ ابن ابی عمیر میں نقد]

اس لیے محقق حلی نے معتبر میں اداب وضوء میں فرمایا: اگر مرسلہ ابن ابی عمیر سے استدلال کیا جائے تو اس سند میں ارسال کی وجہ سے اشکال کیا جائے گا اور اگر کہا جائے کہ ابن ابی عمیر کی مرسلہ روایات پر اصحاب نے عمل کیا ہے تو ہم اس کو قبول نہیں کرتے کیونکہ ان کے راویوں میں مطعون اور ضعیف بھی موجود ہیں اور جب مرسلہ نقل کی تو احتمال ہے کہ وہ ضعیف ہو «ولواحتج بما رواه ابن ابی عمیر عن بعض اصحابنا .. کان الجواب الطعن فی السند لمکان الارسال، ولوقال مراسیل ابن ابی عمیر

يعمل بها الاصحاب، منعنا ذلک، لان فی رجاله من طعن الاصحاب فيه، واذا ارسل احتمل ان يكون الراوی احدهم».

خلاصہ یہ ہے کہ شیخ طوسی نے جو ذکر کیا کہ یہ تین اور ان جیسے ثقات صرف ثقہ راویوں سے روایت اور مرسلہ نقل کرتے ہیں تو اس کی تصدیق نہیں ہوسکتی اور وہ خود اپنی بات کو بہتر جانتے ہیں۔

اور باقی اصحاب اجماع تو ان کی غیر معصوم سے روایات بہت کم ہیں، [معجم رجال ا ص ٦٦] جبکہ انہوں نے ضعیف راویون سے کئی موارد میں نقل کیا ہے ان کی تفصیل ان کے تعارف میں ائے گی جبکہ بعض موارد یہاں بیان کئے جاتے ہیں

۱- سالم بن ابی حفصہ اس کی مذمت اور گمراہ ہونے میں روایات بہت زیادہ ہیں اس سے محمد بن یعقوب نے بسند صحیح عن زرارہ راویت نقل کی۔

۲- یہ شمر کا بیٹا عمرو کہ نجاشی نے اس کو شدید ضعیف قرار دیا اس سے اصحاب اجماع کی ایک جماعت نے روایت نقل کی اور محمد بن یعقوب نے بسند صحیح عن حماد بن عیسی اس سے روایت نقل کی اور انہوں نے اس سے بسند صحیح عن یونس بن عبد الرحمٰن روایت کی اور انہوں نے بسند صحیح عن ابن محبوب اس سے روایت نقل کی اور انہوں نے بسند صحیح عن عبد اللہ بن المغیرۃ اس سے روایت کی .

[دیگر بعض ثقات کے صرف ثقہ راویوں سے روایت کرنے کے دعوی کی تحقیق]

دوسرے بعض افراد کے بارے میں بحث باقی ہے کہ جن کے بارے میں کہا گیا کہ وہ صرف ثقہ راویوں سے روایت نقل کرتے ہیں پس وہ جس کسی سے روایت کریں تو وہ ثقہ ہوگا ان میں درج ذیل افراد ہیں :

۱۔احمد بن محمد بن عیسی: اس کے صرف ثقہ راویوں سے روایت کرنے کے لیے استدلال کیا گیا کہ اس نے احمد بن محمد بن خالد کو اس لیے نکال باہر کیا کہ وہ ضعیف راویوں سے روایت کرتا تھا تو ظاہر ہوا کہ وہ خود ضعیف راویوں سے روایت نہیں کرتے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ضعیف راویوں سے بکثرت روایت کرنا قدح اور عیب شمار ہوتا تھا وہ کہتے کہ فلاں ضعفاء سے روایات نقل کرتا اور مرسلہ روایات پر اعتماد کرتا اس کا معنی یہ ہے کہ وہ روایت کے معاملہ میں محکم نہیں وہ جس کسی سے سنے روایت نقل کرتا ہے لیکن ایک [معجم رجال ا ص ۶۷] یا چند ضعفاء سے روایت نقل کرنا اور وہ بھی خاص موارد میں قدح نہیں تھا، اور راویوں میں کوئی ایسا نہیں جس نے کسی ضعیف یا مجہول یا مہمل سے روایت نہ کی ہو مگر بہت نادر۔

اور اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اس احمد بن محمد بن عیسی نے چند ضعیف راویوں سے روایت کی جن میں سے بعض موارد کو ذکر کرتے ہیں پس محمد بن یعقوب نے اس کی محمد بن سنان سے روایت اور علی بن حدید سے اور اسماعیل بن سہل سے اور بکر بن صالح سے روایت نقل کی۔

[بنو فضال کی توثیق عام]

۲۔بنو فضال: اس بات کے اثبات کے لیے کہ بنو فضال صرف ثقہ و معتمد راویوں سے روایت کرتے اس روایت سے استدلال کیا گیا جو امام عسکری سے منقول ہے فرمایا: «خذوا ما رووا، وذروا ما راوا» اس کو شیخ انصاری نے مسلم حقیقت سمجھ لیا اس لیے کتاب نماز کے شروع میں بیان کیا جب داود بن فرقد کی بعض اصحاب سے روایت کی بحث کی فرمایا: یہ روایت اگرچہ مرسلہ ہے لیکن اس کی سند حسن بن فضال تک صحیح ہے اور بنو فضال کے بارے میں ہمیں حکم دیا گیا کہ ان کی کتابوں اور روایات کو اخذ کریں؛ «وھذہ الروایة وان

كانت مرسلة، الا ان سندها الى الحسن بن فضال صحيح، وبنوفضال ممن امرنا بالاخذ بكتبهم ورواياتهم».

تبصرہ سید: اس بات کی اصل واساس یہ روایت ہے جو شیخ نے اس سند سے نقل کی:
شیخ حسین بن روح سے ابن ابی عزاقر کی کتابوں کے بارے میں سوال کیا گیا جب اس کے بارے میں مذمت وارد ہوئی اور اس پر لعنت کی گئی کہا گیا: ہم اس کی کتابوں پر کیسے عمل کریں جبکہ ہمارے گھر ان سے بھرے ہوئے ہیں؟ فرمایا: میں ان کے بارے میں وہی کہتا ہوں جو امام حسن عسکری نے فرمایا جب اپ سے بنی فضال کی کتابوں کے بارے میں سوال ہوا فرمایا: جو روایت کریں لے لو اور جو ان کا نظریہ ہو وہ چھوڑ دو :ما رواه الشيخ عن ابى محمد المحمدى، قال: «وقال ابوالحسن بن تمام: حدثنى عبد الله الكوفى خادم الشيخ الحسين بن روح رضى الله عنه، قال: سئل الشيخ- يعنى ابا القاسم رضى الله عنه- عن كتب ابن ابى العزاقر بعد ما ذم وخرجت فيه اللعنة، فقيل له: فكيف نعمل بكتبه وبيوتنا منه ملاء؟ فقال: اقول فيها ما قاله ابومحمد الحسن بن على ع،[معجم رجال۱ص۶۸]وقد سئل عن كتب بنى فضال، فقالوا: كيف نعمل بكتبهم وبيوتنا منه ملاء؟ فقال ع: خذوا ما رووا، وذروا ما راوا».

لیکن یہ روایت ضعیف ہے اس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا کیونکہ عبد اللہ کوفی مجہول ہے نیز یہ روایت دلالت بھی نہیں کرتی کیونکہ روایت ان کے مستقیم ہونے کے بعد عقیدہ کے فاسد ہونے کو بیان کرتی ہے کہ اس سے فساد سے پہلے کی روایات کی حجیت کو نقصان نہیں پہنچے گا لیکن اس میں یہ بیان نہیں ہوا کہ ان کی روایات کو لیا جائے حتی جب وہ کسی ضعفی یا مجہول سے

روایت کرے تو جس طرح ان کے گمراہ ہونے سے پہلے ان کی ضعیف یا مجھول سے روایت نہیں لی جاتی اسی طرح ان کے گمراہ ہونے کے بعد بھی ضعیف یا مجھول سے روایت نہیں لی جائے.

بہرحال شیخ انصاری وغیرہ کا بیان کردہ نظریہ کہ بنو فضال تک صحیح سند سے پہنچنے والی ہر روایت کو حجت سمجھا جائے بے اساس ہے۔

۳۔ جعفر بن بشیر. جن سے اس نے روایت کی ان سب کے ثقہ ہونے کے لیے نجاشی کے بیان سے استدلال کیا گیا فرمایا: اس نے ثقہ راویوں سے روایت کی اور اس سے انہوں نے راویت کی پس جن سے اس نے روایت کی ان کو ثقہ قرار دیا جائے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ اس میں حصر پر دلالت نہیں اس کی تاکید یہ ہے کہ انہوں نے اس سے روایت کی تو کیا احتمال ہے کہ اس سے سوائے ثقہ کے کسی نے روایت نہیں کی حالانکہ ضعفاء کسی سے بھی روایت کر سکتے ہیں حتی معصومین سے بھی روایت کرتے ہیں۔

زیادہ سے زیادہ اتنا ہے کہ جعفر بن بشیر کی ثقہ راویوں سے روایات بہت زیادہ ہیں ورنہ شیخ نے بسند صحیح اس کی صالح بن حکم سے روایت نقل کی جسے نجاشی نے ضعیف قرار دیا اور شیخ صدوق نے بسند صحیح اس کی عبد اللہ بن محمد جعفی سے روایت ذکر کی بلکہ مشیخہ میں اس کی طرف سند بیان کی، حالانکہ نجاشی نے اسے ضعیف قرار دیا[معجم رجال اص۶۹]. ضعیف راویوں سے اس کی روایت کے بقیہ موارد بعد میں ائیں گے ان شاء اللہ۔

۴۔ محمد بن اسماعیل بن میمون زعفرانی: جن سے اس نے روایت کی ان کے ثقہ ہونے کے لیے نجاشی کے بیان سے استدلال کیا گیا: فرمایا اس نے ثقہ راویوں سے روایت کی اور انہوں نے اس سے روایت کی «روی عنه الثقات ورووا عنه». اور اس کا جواب ہو چکا ہے۔

۵۔ علی بن حسن طاطری: جن سے اس نے روایت کی ان سب کے ثقہ ہونے کے لیے شیخ کے اس کے متعلق بیان سے استدلال کیا گیا؛ فرمایا: اس کی فقہ میں کتابیں ہیں جنہیں اس نے

ثقہ و معتمد راویوں سے نقل کیا ہے «وله كتب فى الفقه رواها عن الرجال الموثوق بهم وبرواياتهم..».

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کلام کی ان سب کی وثاقت پر کوئی دلیل نہیں جن سے اس علی بن حسن طاطری نے روایت کی زیادہ سے زیادہ اتنا ہے کہ اس کی فقہی کتابوں میں ثقہ افراد سے روایات ہیں تو جسے شیخ نے اس کی کتاب سے نقل کیا یعنی جس سند کی ابتداء میں علی بن حسن ہو تو ان میں ان راویوں کو بھی ثقہ شمار کیا جائے جب تک کوئی دوسرا شخص اسے ضعیف قرار ن ہدے لیکن جب علی بن حسن سند کے درمیان میں ہو تو ان راویوں کی وثاقت کا حکم نہیں ہوگا کیونکہ اس روایت کا اس کی کتاب سے ہونا یقینی نہیں.

خلاصہ یہ ہوا کہ ان افراد کی کسی سے روایت کرنا اس کی وثاقت کی دلیل نہیں۔

[محدث نوری کا ثقہ کی روایت کو علامت وثاقت قرار دینے میں مبالغہ]

اور محدث نوری نے اس مقام پر بہت افراط سے کام لیا اور کسی بھی ثقہ کی کسی سے روایت کرنے کو اس کے ثقہ و معتمد ہونے کی دلیل قرار دیا اس لیئے انہوں نے وسائل کی بحث رجال میں بہت سے راویوں کا اضافہ کر دیا کہ ان سے ثقہ راویوں نے راویت کی تھی جیسے حسین بن سعید، محمد بن ابی الصہبان، تلعکبری، شیخ مفید، حسین بن عبید اللہ عضائری، اور ان جیسے ثقہ افراد، اور یہ بہت ہی عجیب و غریب بات ہے کیونکہ اتنا تو وہم کیا جا سکتا ہے کہ کسی ثقہ کی کسی سے روایت کرنا اس کے نزدیک اس کے معتمد ہونے کی دلیل قرار دیا جائے لیکن اس کو اس راوی کی توثیق یا اس کی مدح کی گواہی قرار دینا تص بہت دور کی بات ہے شاید وہ راوی ہر امامی جس کا فسق ظاہر نہ ہو اسے معتبر سمجھتا ہو اگر یہ دعوی صحیح ہو تو ثقہ محدثین کی کتابوں میں کوئی روایت ضعیف نہیں رہے گی چاہے وہ کتب اربعہ ہوں یا کوئی دوسری کتاب کیونکہ فرض یہ ہے کہ کتاب لکھنے والا تو ثقہ ہے جب وہ اپنے شیخ سے روایت کرے تو اس کو ثقہ کر دیا [معجم

رجال ا ص ٧٠] اور جب وہ کسی دوسرے سے روایت کرے تو اسے ثقہ کر دیا، اور اسی طرح سلسلہ معصوم تک پہنچ جائے گا۔

یہ دعوی کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ حالانکہ جان چکے کہ صفوان، ابن ابی عمیر اور بزنطی جیسے فارد نے بھی ضعیف راویوں سے روایات کی ہیں تو دوسروں کے بارے میں کیا گمان ہے؟ اور کسی سے روایت کرنا اس پر اعتماد کی دلیل نہیں، یہ احمد بن حسین بن احمد بن عبید ضبی ابونصر ہے اس سے شیخ صدوق نے علل، معانی، اور عیون میں روایت کی اور فرمایا: میں نے اس سے بڑھ کر کوئی ناصبی اور دشمن اہل بیت نہیں دیکھا یہ اپنی دشمنی اہل بیت میں اتنا بڑھ چکا تھا کہ کہتا: خدا صرف حضرت محمد پر درود بھیج اور ان کی ال سے درود کو روکتا؛«ما لقيت انصب منه، وبلغ من نصبه انه كان يقول: اللهم صل على محمد فردا، ويمتنع من الصلاة على اله».

۴۔ایسی سند میں واقع ہونا جس کے صحیح ہونے کا حکم ہوا ہو

ان میں سے کسی ایسی روایت کی سند میں واقع ہونا ہے جسے متقدمین یا متاخرین میں سے کسی نے صحیح قرار دیا ہو اس لیے ہر اس راوی کے معتبر ہونے کا حکم لگایا جاتا ہے جس سے محمد بن احمد بن یحیٰی نے روایت کی اور اسے اس کی روایات سے جدا نہیں کیا گیا۔

اس کی وجہ ہے کہ نجاشی و شیخ نے محمد بن احمد بن یحیٰی کے بارے میں بیا کیا کہ محمد بن حسن بن ولید نے اس کی روایات سے ایک گروہ کی روایات کو استثناء اور جدا کر دیا تھا اور ان کے نام بھی بتائے اور اس بات میں شیخ صدقق ابو جعفر ابن بابویہ، اور اسی طرح ابوالعباس بن نوح نے سوائے محمد بن عیسی بن عبید کے مورد میں پیروی کی، تو جن سے محمد بن احمد بن یحیٰی روایت کرے اور انہیں ابن ولید جدا نہ کیا ہو تو وہ ان کے نزدیک معتمد ہے اور اس حدیث کے صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

تبصرہ سید: کسی شخص کی روایت پر ابن ولید وغیرہ متقدمین کا اعتماد اور اس کو صحیح قرار دینا چہ جائیکہ متاخرین کی بات ہو ان اس راوی کے ثقہ ہونے کی دلیل نہیں ہے کیونکہ احتمال ہے کہ روایت کے صحیح ہونے کا حکم اصل عدالت کی بناء پر کیا گیا ہو اور وہ ہر اس مومن کی روایت کو حجت سمجھتے ہوں جن سے فسق ظاہر نہ ہو تو یہ راوی کے ثقہ یا اس کی خبر کے حجت ہونے کا معیار نہیں [معجم رجال اص ۷۱].

نیز یہ کہ ابن ولید اور ان جیسے قدماء کا کسی روایت کو صحیح قرار دینا جو کبھی کسی روایت کے صحیح ہونے کا حکم لگاتے ہیں یا ان کے راویوں کی وثاقت کو بیان کئے بغیر اس پر اعتماد کرتے ہیں لیکن شیخ صدوق تو اس بات میں اپنے استاد کی پیروی کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے تصریح کی: نماز غدیر اور اس دن روزہ رکھنے والے کا ثواب تو ہمارے استاد محمد بن حسن اس کو صحیح نہیں سمجھتے اور کہتے کہ اس کی سند میں محمد بن موسی ہمدانی ہے اور وہ ثقہ نہیں اور جسے یہ شیخ صحیح نہ سمجھیں وہ ہمارے نزدیک بھی صحیح نہیں «واما خبر صلاة يوم غدير خم والثواب المذكور فيه لمن صامه، فان شيخنا محمد بن الحسن كان لا يصححه ويقول: انه من طريق محمد بن موسى الهمداني. وكان غير ثقة. وكل ما لم يصححه ذلک الشيخ- قدس الله روحه- ولم يحكم بصحته من الاخبار فهوعندنا متروک غير صحيح».

اور فرمایا: ہمارے استاد ابن ولید، محمد بن عبداللہ مسمعی کے بارے میں بری رائے رکھتے تھے جس نے یہ روایت نقل کی اور میں نے یہ روایت اس کتاب میں نقل کی کیونکہ یہ کتاب رحمت میں تھی اور میں نے وہ ان کے پاس پڑھی اور انہوں نے اس کا انکار نہیں کیا اور اسے نقل کیا «كان شيخنا محمد بن الحسن بن احمد بن الوليد رضى الله عنه سيئ الراى فى محمد بن عبد الله المسمعى راوى هذا الحديث، وانى اخرجت

هذا الخبر فى هذا ک، لانه كان فى كتاب الرحمة، وقد قراته عليه فلم ينكره، ورواه لى».

۵۔امام کی وکالت

وثاقت کی علامات میں سے امام کی وکالت ہے کہا گیا ہے کہ یہ اس عدالت کی لازم ملزوم ہے جس وثاقت سے بلند تر درجہ ہے۔

تبصرہ سید: وکالت عدالت کو مستلزم نہیں اور تمام علماء کے اجماع اور بغیر اشکال کے فاسق کو وکیل بنانا جائز ہے زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ عقلاء عالم مالی امور کو ایسے افراد کے سپرد نہیں کرتے جن کی امانت داری پر اعتماد نہ ہو لیکن یہ وکیل میں عدالت کی شرط سے کوئی ربط نہیں رکھتا؟ اور ظالم کی طرف میلان سے منع ہونا موکل کے متعلقہ کاموں میں اسے وکیل بنانے سے اجنبی ہے اور شیخ طوسی نے کتاب غیبت میں ائمہ کے کئی مذموم وکلاء کا ذکر کیا ہے [معجم رجال ا ص ۷۲] اگر وکالت عدالت کا لازمہ ہوتی توان موارد میں اس کا جدا ہونا کیسے ممکن ہوتا یعنی جب کسی مورد میں ثابت ہو جائے کہ امام کا وکیل عادل نہیں تھا تو اس ملازمہ کے نہ ہونے کو سمجھیں گے ورنہ لازمہ کا ملزوم سے جدا ہونا کیسے ممکن ہے؟ اس سے اس بات کا باطل ہونا ظاہر ہوا جو کہا گیا کہ جب کسی مورد میں وکالت ثابت ہو جائے تو اس کے لازمہ عدالت کو لیا جائے گا یہاں تک کہ اس کا خلاف ثابت ہو۔

پھر کبھی معصومین کی طرف سے وکیل بننے والے سب افراد کی وثاقت کے لیےاس سے استدلال کیا جاتا ہے جو کلینی نے بسند خود نقل کی میں نے حاجز کے معاملہ میں شک کیا میں نے کچھ جمع کیا اور عسکر گیا تو مجھے توقیع ملی: نہ ہم میں شک ہے اور نہ ہمارے قائم مقام میں شک ہے جو کچھ تیرے پاس ہے وہ حاجز بن یزید کو دے دو: محمد بن یعقوب، عن علی بن محمد، عن الحسن بن عبد الحمید، قال: «شككت فى امر حاجز فجمعت شيئا ثم صرت الى

العسکر فخرج الی: لیس فینا شک ولا فی من یقوم مقامنا بامرنا، رد ما معک الی حاجز بن یزید»[۱]. اوراسے شیخ مفید نے بھی نقل کیا ہے[۲]۔

اور اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت سند کے لحاظ سے ضعیف ہے کم از کم حسن بن عبدالحمید مجہول ہے نیز یہ روایت ہر وکیل کے معتبر ہونے پر دلالت نہیں کرتی یہ ان کے معاملات میں ان کے قائم مقام کی جلالت و عظمت کو بیان کرتی ہے تو یہ ان کے نواب اور سفراء سے مختص ہے۔

یہ اور بعض نے افراط سے کام لیا اور معصومؑ کے دربان کو اس کے اعتبار کی دلیل سمجھ لیا[۳]؛ حالانکہ اس میں اعتبار پر کسی طرح دلالت نہیں۔

۶۔ شیخ الاجازہ ہونا

مشہور ہے کہ اجازہ دینے والے توثیق سے بالاتر ہیں[۴]۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مشائخ اجازہ کی وثاقت کو مان لینے کی بناء پر ان کی وثاقت اصحاب اجماع وغیرہ سے زیادہ نہیں ہے جن کی حدیث کے معاملہ میں صداقت اور وثاقت معروف ہے [معجم رجال۱ص۷۳] تو کیسے رجال و فقہ کی کتابوں میں ان کی وثاقت کو بیان کیا جاتا ہے لیکن مشائخ اجازہ کی وثاقت کو بیان نہیں کیا گیا حالانکہ اول کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

صحیح یہ ہے کہ شیخ الاجازہ ہونا استاد کی وثاقت کی دلیل نہیں اس کا بیان ہے کہ راوی کبھی کسی سے روایت سن کر بیان کرتا ہے اور کبھی اس سے پڑھ کر بیان کرتا ہے اور کبھی کسی کتاب میں

---

[۱]۔رجوع ہو کافی۔
[۲]۔ارشاد شیخ مفید۔
[۳]۔رجوع ہو مستدرک الوسائل محدث نوری۔
[۴]۔رجوع ہو رجال بحر العلوم۔

دیکھ کر نقل کرتا ہے جس کی نقل کرنے کی اجازت شیخ نے دی لیکن اس کو نہ سنا اور نہ ہی پڑھا تو راوی اس روایت کو اس شیخ سے اس طرح بیان کرتا ہے: فلاں نے مجھے حدیث بیان کی؛ حدثنی فلان، اور روایت بیان کرتا ہے تو اجازہ کا فائدہ یہ ہوا کہ اسے شیخ سے نقل کرنا صحیح ہے اور یہ سچ شمار ہو گا اگر ہم کہیں ثقہ کی کسی شخص سے روایت کرنا اس کے ثقہ یا ممدوح ہونے کی دلیل ہے تو ٹھیک ورنہ صرف اجازہ لینے سے شیخ کی وثاقت ثابت نہیں ہو گی اور ابھی جان چکے کہ کسی سچے کی کسی سے روایت کرنا اس کی وثاقت کی دلیل نہیں ہے اس کی تائید یہ ہے کہ حسن بن محمد بن یحییٰ اور حسین بن حمدان حضینی مشائخ اجازہ ہیں اور ان دونوں کو نجاشی نے ضعیف قرار دیا ہے[1]۔

۷۔ معصومؑ کا صحابی ہونا

بعض نے قرار دیا کہ کسی راوی کا کسی معصومؑ کا صحابی ہونا اس کی وثاقت کی علامت ہے۔
اور اپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کسی معصومؑ کا ساتھ اس کی وثاقت کی دلیل نہیں ہے اور نہ ہی اس کی مدح کی نشانی ہے کیسے ہو جبکہ نبی اکرم اور تمام معصومینؑ کی صحبت میں ایسے افراد بھی تھے جن کا حال اور بری سیرت اور افعال بیان کے محتاج نہیں ہیں ؟!.

۸۔ کتاب یا اصل کی تالیف

کہا گیا کہ کسی شخص کا کتاب یا اصل کا مولف ہونا اس کے حسن و مدح کی علامت ہے . [معجم رجال اص ۷۴]

اس کا جواب ظاہر ہے کہ کچھ مولف کذاب اور جعلکار ہوتے ہیں نجاشی اور شیخ نے ان میں سے ایک گروہ کا ذکر کیا ہے اور تفصیلی حالات میں ان کو بیان کیا جائے گا ان شاء اللہ تعالی.

---

[1]۔ رجوع ہو رجال نجاشی۔

۹۔ کسی عالم کا راوی پر رحمت کی دعاء کرنا

جس کسی پر کوئی عالم دعاء رحمت کر دے اس کے حسن و ممدوح ہونے کے لیے استدلال کیا گیا جیسے شیخ صدوق اور محمد بن یعقوب وغیرہ دعاء کریں کہ کسی پر رحمت کی دعاء کرنا خاص اہتمام ہے اس سے اس کا حسن و ممدوح ہونا ثابت ہوگا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ رحمت کی دعاء کرنا ہر مومن کے لیے مطلوب و مستحب ہے اور ہمیں سب مومنین اور خاص کر والدین کے لیے مغفرت کی دعاء کرنے کا حکم ہوا اور امام صادقؑ نے امام حسینؑ کے ہر زوار کے لیے رحمت کی دعاء کی بلکہ امام نے تو بعض معروف بالفسق کے لیے بھی رحمت کی دعاء کی کہ ان میں اس دعاء کا مقتضی موجود تھا جیسے سید اسماعیل حمیری وغیرہ، تو کیسے شیخ صدوق یا محمد بن یعقوب وغیرہ کا رحمت کی دعاء کرنا اس شخص کی مدح کی دلیل بن جائے گا؟ اور نجاشی نے محمد بن عبد اللہ بن محمد بن عبید اللہ بن بہلول کے لیے رحمت کی دعاء کی ساتھ یہ بھی ذکر کیا کہ ان کے اساتذہ اسے ضعیف قرار دیتے تھے اس لیے انہوں نے ان سے کچھ روایت نہیں کی۔

۱۰۔ معصومؑ سے بکثرت روایت کرنا

معصوم سے بکثرت روایات نقل کرنے کو اگرچہ وہ بالواسطہ ہو، کسی شخص کے معتبر ہونے کے لیے تین روایات سے استدلال کیا گیا:

ا۔ کشی نے بسند خود امام صادقؑ سے نقل کیا: لوگوں کی ہمارے ہاں منزلت کو ان کی ہم سے روایت کی مقدار سے پہچانو: حمدویہ بن نصیر الکشی، قال حدثنا محمد بن الحسین بن ابی الخطاب،

عن محمد بن سنان، عن حذیفة بن منصور، عن ابی عبد اللہ ع، قال: «اعرفوا منازل الرجال منا علی قدر روایاتهم عنا»[1]. [معجم رجال۱ص۷۵]

۲۔ کشی نے بسند خود نقل کیا کہ امام صادقؑ نے فرمایا: ہمارے شیعہ کی منزلت کو اس سے پہنچانوں کہ وہ ہم سے کتنی روایات اچھی طرح بیان کرتے ہیں ہم فقیہ کو اس وقت تک فقیہ نہیں سمجھتے یہاں تک کہ وہ محدث ہو۔ کہا گیا: کیا مومن محدث ہوتا ہے؟ فرمایا: ہاں سمجھدار ،اور وہی محدث ہے؛

محمد بن سعید الکشی بن یزید، وابو جعفر محمد بن ابی عوف البخاری، قالا: حدثنا ابو علی محمد بن احمد بن حماد المروزی المحمودی رفعه، قال: قال الصادق ع: «اعرفوا منازل شیعتنا بقدر ما یحسنون من روایاتهم عنا، فانا لا نعد الفقیه منهم فقیها حتی یکون محدثا، فقیل له: ا ویکون المؤمن محدثا؟ قال: یکون مفهما. والمفهم المحدث»[2].

۳۔ امام صادق نے فرمایا: لوگوں کی ہمارے ہاں منزلت کو ان کی ہم سے روایت کی مقدار سے پہچانو ابراهیم بن محمد بن عباس الختلی ہمیں حدیث بیان کی احمد بن ادریس القمی المعلم، قال: حدثنی احمد بن محمد بن یحییٰ بن عمران، قال: حدثنی سلیمان الخطابی، قال: حدثنی محمد بن محمد، عن بعض رجاله عن محمد بن حمران العجلی،[معجم رجال اص ۷۵] عن علی بن حنظلة، عن ابی عبد اللہ ع،قال: «اعرفوا منازل الناس منا علی قدر روایاتهم عنا»[3].

---

[1] ۔ مقدمہ رجال کشی۔
[2] ۔ سابقہ حوالہ۔
[3] ۔ سابقہ حوالہ۔

ان کا جواب یہ ہے کہ یہ روایات ضعیف اور غیر معتبر ہیں اور اخری دو کا ضعیف ہونا واضح ہے اور پہلی میں محمد بن سنان کا ضعیف اظہر قول کی بناء پر ہے۔
اور اگر ان کے ضعیف ہونے سے چشم پوشی کر لی جائے تو ان کی دلالت کمزور ہے کہ ان کی روایات کی مقدار سے مراد راوی کی ان سے خبر دینے کی مقدار نہیں اگرچہ اس کا سچ و جھوٹ معلوم نہ ہو یہ تو راوی کی مدح نہیں ہو گی بلکہ جھوٹا کبھی سچے سے زیادہ روایات نقل کرتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کی حقیقی روایات میں سے کتنی نقل کرتا ہے اور یہ تو راوی کے قول کی حجیت کے ثبوت کے بعد ہی معلوم ہوگا اور جب یہ ثابت ہو کہ اس کی روایت معصوم سے صادر ہوئی.

۱۱۔ مشیخہ میں کسی شخص کی طرف سند ذکر کرنا

علامہ مجلسی نے فرمایا کہ شیخ صدوق کسی کی طرف مشیخہ میں سند ذکر کریں تو یہ اس کی مدح کی علامت ہے [معجم رجال ا ص ۷۶] اور ایسے افراد کو وجیزہ میں ممدوحین میں شمار کیا[۱]. اور اسکا جواب یہ ہے کہ اس کی کوئی وجہ معلوم نہیں سوائے جو خیال کیا جاتا ہے کہ مشیخہ میں کسی کی طرف سند ذکر کرنا اس وقت تھا جب اس کی کتاب معتمد ہو کہ شیخ نے مقدمہ فقیہ میں فرمایا کہ وہ اس میں معتبر اور معتمد کتابوں سے روایت کریں گے تو اس لیے صاحب کتاب ممدوح ہو گا۔
لیکن یہ محض خیال ہے جو شیخ صدوق کے مقدمہ سے پیدا ہوا: اس میں سب کچھ مشہور اور معتمد کتابوں سے لیا گیا جن پر اعتماد تھا اور ان کی طرف رجوع کیا جاتا «وجميع ما فيه مستخرج من كتب مشهورة عليها المعول، واليها المرجع، جیسے کتاب حریز بن عبد اللہ سجستانی، کتاب عبید اللہ بن علی حلبی، کتب علی بن مہزیار اہوازی، کتب حسین بن

---

[۱]۔ رجوع ہو وجیزہ علامہ مجلسی۔

سعید، ونوادر احمد بن محمد بن عیسی، وکتاب نوادر الحکمۃ تصنیف محمد بن احمد بن یحییٰ بن عمران اشعری، کتاب الرحمۃ لسعد بن عبد اللہ، جامع شیخنا محمد بن حسن بن ولید رضی اللہ عنہ، ونوادر محمد بن ابی عمیر، وکتاب المحاسن لاحمد بن ابی عبد اللہ البرقی، ورسالۃ ابی رضی اللہ عنہ الی، وغیرہ اصول و مصنفات جس کی طرف سندیں ان کتابوں کی فہرستوں میں معروف ہیں جن کو میں نے اپنے مشائخ اور اسلاف سے روایت کیا رضی اللہ عنہم». لیکن ظاہر ہے کہ وہ اس سے مراد یہ لیتے ہیں کہ فقیہ میں مذکور روایات معتبر کتابوں سے لی گئی ہیں اس کا یہ معنی نہیں کہ انہوں نے ان کو ان افراد کی کتابوں سے لیا جن کے نام مشیخہ میں ہیں اور ان کی طرف سند لکھی، یہ کیسے ہو جبکہ مشیخہ ایسے افراد بھی ہیں:
اور ان کی طرف سند ذکر ہے جیسے ابراہیم بن سفیان، اسماعیل بن عیسی، انس بن محمد، و جعفر بن قاسم، حسن بن قارن، وغیرہ. حالانکہ نجاشی اور شیخ نے ان کو صاحبان اصول اور کتب میں ذکر ہی نہیں کیا بلکہ شیخ نے ان کا نام رجال میں بھی نہیں لیا حالانکہ اس کا موضوع عام تھا تو کیسے ممکن ہے کہ وہ صاحبان کتب میں سے ہیں اور ان کی کتابیں معروف و مشہور ہیں؟! بلکہ شیخ صدوق نے اسماء بنت عمیس کی طرف سند ذکر کی تو کیا احتمال ہے کہ ان کی کتاب بھی مشہور تھی؟ بلکہ کبھی مشیخہ میں [معجم رجال اص۷۷] خود روایت کی طرف سند لکھی جیسے اپنی سند یہود کے انے کی روایت کی لکھی۔
بہرحال شیخ صدوق کی ہرگز مراد یہ نہیں تھی کہ وہ اپنی کتاب میں ان افراد کی مشہور و معتبر کتب سے روایات نقل کریں گے جن کے نام مشیخہ میں بیان کئے۔
اس بات کی تاکید یہ ہے کہ صدوق نے بعض سے صرف ایک روایت لی جن کا نام مشیخہ میں لیا اور اس کی طرف سند بیان کی جیسے مذکورہ بالا افراد اور ایوب بن نوح، بحر سقاء، بزیع مؤذن، بکار بن کردم وغیرہ. اور بہت بعید ہے کہ ان کی مشہور کتاب ہو اور فقیہ اس سے صرف ایک

روایت لیں تو کسی طرف شیخ صدوق کی سند ہونے سے اس کے حسن و ممدوح ہونے کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

اس سے اس بات کا باطل ہونا بھی ظاہر ہو گیا جس کا وہم و خیال کئی افراد نے کیا جنہوں نے شیخ صدوق کی عبارت میں غور نہیں کی وہ یہ کہ شیخ صدوق کے کئی اسناد ضعیف ہیں جیسا کہ ان کو جان لو گے اور اس کی وجہ بھی معلوم ہو گی ان شاء اللہ تعالی، لیکن بعض نے گمان گیا کہ سند کا ضعیف ہونا روایت کے صحیح ہونے میں مضر نہیں ہو گا جب کہ شیخ نے بیان کیا کہ ان کی کتاب کی روایات مشہور اور معتمد کتابوں سے لی گئی ہیں تو جب کتاب مشہور اور معتمد ہو تو شیخ کے اسناد کا ضعیف ہونا مضر نہیں کہ شیخ نے سندیں تبرکا ذکر کیں یا کوئی ایسی ہی وجہ ہو گی۔

اس وہم و خیال کا بطلان واضح ہے کہ وہ مشہور اور معتمد کتابیں جن سے شیخ صدوق نے اپنی کتاب کی روایات نقل کیں ان کی کتابیں نہیں جن کے نام سے فقیہ میں سند شروع کی اور ان میں سے بعض کو مشیخہ میں ذکر کیا وہ مشہور علماء کی کتابیں ہیں جن میں ان کے والد کا رسالہ ہے اور کتاب شیخ محمد بن حسن بن ولید، تو فقیہ میں موجود روایات ان کتابوں سے لی گئیں لیکن وہ صحیح یا غیر صحیح ہیں یہ الگ مسئلہ ہے ہاں جن کے نام سے تہذیبین میں سند شروع کی تو وہ صاحب کتاب ہے شیخ نے ان میں ان کی کتاب سے روایت کی جیسا کہ ان کتابوں کے اخر میں تصریح کی لیکن شیخ طوسی نے وہاں یہ تصریح نہیں کی کہ ان کی منبع کتابیں معتبر اور مشہور ہیں۔ [معجم رجال ا ص ۷۸]

[مشیخہ شیخ صدوق و تہذیبین میں فرق]

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جب شیخ صدوق یا طوسی کسی کی طرف سند ذکر کریں اور وہ شخص ضعیف ہو تو اس سند سے نقل شدہ روایت ضعیف ہو گی ہاں جب شیخ کی سند کسی کی طرف کتاب کے اخر میں ضعیف ہو لیکن اس کی طرف فہرست میں دوسری سند ہو اور وہ صحیح ہو تو اس روایت کے صحیح ہونے کا حکم لگایا جائے گا؛ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیخ نے جو سندیں ان کتابوں

کے اخر میں بیان کیں وہ کچھ سندیں ہیں اور باقی سندوں کے لیے اپنی کتاب فہرست کا حوالہ دے دیا ہے جب اس میں سند صحیح ہو تو وہ روایت صحیح ہو گی

بلکہ اگر ہم فرض کریں کہ شیخ کی مشیخہ اور فہرست میں کسی کتاب کی طرف سند ضعیف ہو لیکن نجاشی کی سند اس کتاب کی طرف صحیح ہو اور ان دونوں کا شیخ ایک ہو تو شیخ کی اس کتاب سے روایت صحیح ہو گی کیونکہ احتمال نہیں کہ ایک شخص جیسے حسین بن عبید اللہ بن عضائری جو خبر نجاشی کو دے وہ اس خبر کے علاوہ ہو جو شیخ کو دے پس جب ان دونوں کو دی گئی خبر ایک ہے اور نجاشی کی سند صحیح ہو تو شیخ طوسی کی اس کتاب سے روایت معتبر ہو گی اور سندوں کے مختلف ہونے سے معلوم ہو گا کہ وہ کتاب دو سندوں سے نقل ہوئی ایک کو شیخ طوسی نے ذکر کیا اور دوسری کو نجاشی نے بیان کیا۔ [معجم رجال ا ص ۷۹]

مقدمہ پنجم: کتب اربعہ کی تمام روایات کے صحیح و معتبر ہونے کے دعوی کی تحقیق

کافی، من لایحضرہ الفقیہ، اور تہذیبین کی روایات کے صحیح ہونے کی بحث.
ان تمام روایات کے صحیح ہونے میں پیش کردہ دلیلوں میں مناقشہ اور ان دلیلوں کا بطلان اور ردّ۔
اور کتب اربعہ کی تمام روایات کے صحیح نہ ہونے کا اثبات اور ہر روایت کی سند میں بحث ضروری ہونا[معجم رجال ا ص ۸۱]

کتب اربعہ کی روایات میں بحث

جو کہا گیا کہ کتب اربعہ کی تمام روایات صحیح ہیں[1]، اس کا بطلان تین فصلوں میں ہوگا:

فصل اول: کافی کی روایات کے صحیح ہونے میں بحث

کئی علماء نے ذکر کیا کہ کافی کی تمام راویات صحیح ہیں اور ان میں سے کسی کی سند ضعیف ہونے کی وجہ سے اس کو چھوڑنے کی گنجائش نہیں ہے اور میں نے اپنے شیخ استاد محمد حسین نائینی- قدس سرہ- سے درس کی محفل میں سنا، فرمایا: «ان المناقشة فی اسناد روایات الکافی حرفة العاجز»؛ کافی کی روایات کی سندوں میں اشکال کرنا عاجز و کمزور کی کوشش ہے۔

[مقدمہ کافی سے استدلال]

اور اس بات پر کئی علماء نے اس سے استدلال کیا جو محمد بن یعقوب نے کتاب کے خطبہ میں فرمایا:

اما بعد! اے بھائی جو کچھ تو نے ذکر کیا میں نے سمجھ لیا... اور تم نے بیان کیا کہ تم پر کچھ چیزیں مشکل ہو گئی ہیں اور ان میں روایات کے اختلاف کی وجہ سے تو ان کی حقیقت کو نہیں جانتا اور تو اتنا جانتا ہے کہ ان میں روایت کا اختلاف ان کے علل و اسباب میں اختلاف کی وجہ سے ہے

[1]۔ اخباریوں اور محدثین کی کثیر تعداد اس کی قائل رہی ہے جیسا کہ خاتمہ وسائل، فوائد مدنیہ وغیرہ کتابوں میں ذکر ہے۔

اور تو اپنے پاس کسی کو نہیں پاتا جس کے پاس تو ان کی بحث کرے اور ان کا حل نکالے جس کے علم و دانش پر تجھے اعتماد و اطمینان ہو۔

اور تو نے کہا کہ تجھے پسند ہے کہ تیرے پاس ایک ایسی جامع کتاب ہو جس میں تمام علوم دینی جمع ہو گئے ہوں جس پر طالبعلم اکتفاء کرے اور ہدایت کے طلبگار اس کی طرف رجوع کریں اور جو لوگ صادقینؑ سے منقول صحیح اثار سے علم دین کو اخذ کر کے اس پر عمل کرنے کا خواہاں ہو وہ اس کو لے اور ایسی سنتوں کو حاصل کرے جن پر عمل قائم ہے اور اس کے ذریعے وہ خدا تعالی کے فرائض اور نبی اکرم ﷺ کی سنتوں کو انجام دے۔

جان لو اے بھائی !خدا تجھے رشد و ہدایت عطا کرے معصومینؑ کی روایات کے اختلاف کوئی شخص اپنے رائے سے حلّ نہیں کرسکتا مگر اس کے کچھ راہ حل امام ؑ نے بیان کئے ہیں فرمایا: مختلف روایات کو اللہ کی کتاب قران مجید پر پیش کرو جو خدا کی کتاب کے مطابق ہو اسے لے لو اور جو خدا کی کتاب کے مخالف ہو اسے چھوڑ دو ۔

اور امامؑ نے فرمایا: جو لوگوں کی باتوں کے موافق ہو اسے چھوڑ دو کیونکہ ہدایت ان کے خلاف ہے ۔

اور مزید فرمایا: اس بات کو لے لو جس پر اتفاق ہو کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں ہوتا جس میں کوئی اتفاق ہو۔

لیکن ہم ان سب میں سے بہت کم جانتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کسی چیز کو احتیاط کے قریب نہیں سمجھتے کہ ہم ان سب کا علم ائمہ ؑ کی طرف پلٹا دیں اور اس وسعت کو اخذ کریں جو امامؑ نے اپنے فرمان میں ہمیں دی فرمایا: تم ان میں سے تسلیم و اطاعت کے عنوان سے جس کو لے لو وہی تمہارے لیے جائز ہے۔

خدا کی حمد ہے کہ اس نے اس کتاب کے لکھنے کو اسان کر دیا جس کا تم نے سوال کیا تھا اور مجھے امید ہے کہ یہ کتاب ویسی ہو جیسا تم نے چاہا پس اس میں جو کچھ تقصیر و کوتاہی ہو تو ہم نے نصیحت کا ہدیہ دینے میں نیت میں تقصیر نہیں رکھی کیونکہ نصیحت تو اپنے دینی بھائیوں اور اہل ملت کے لیے واجب ہے۔

اس کے ساتھ ہمیں امید ہے کہ ہم ہر اس شخص کے ثواب کے ساتھ شریک ہونگے جو اس سے اقتباس کرے گا اور اس کے مندرجات پر عمل کرے گا وہ ہمارے زمانے میں ہو یا دنیا کے ختم ہونے تک مستقبل میں انے والا ہو، کیونکہ خدا ایک ہے اور رسول اکرم محمد مصطفیٰ خاتم النبیین ﷺ ایک ہیں اور شریعت ایک ہے اور محمد مصطفیٰ ﷺ کا حلال اور ان کا حرام قیامت تک حرام ہے۔

اور ہم نے قدر کتاب الحجت کو وسعت دی ہے اگرچہ اس کو کما حقہ کامل نہیں کر سکے کیونکہ ہم نے ناپسند کیا کہ اس کے نصیب میں کمی کی [اور میں امید کرتا ہوں کہ خدا اس امر کے نافذ کرنے کو اسان کرے جس کی ہم نے نیت کی ہے اور اگر ہمیں زندگی نے مہلت دی تو ہم اس سے وسیع تر اور کامل تر کتاب لکھیں گے جس میں اس کے تمام حقوق کو پورا کریں گے اور تو نے کہا کہ اگر ایسا ہو جائے تو تجھے امید ہے کہ اس کے سبب سے خدا کی مدد و توفیق بہت سے ایمانی بھائیوں اور اہل ملت کو شامل ہو اور وہ اس کے ذریعہ عالی مقاصد کو پا سکیں]۔

«اما بعد فقد فهمت یا اخی ما شکوت .. وذکرت ان امورا قد اشکلت علیک، لا تعرف حقائقها لاختلاف الروایة فیها، وانک تعلم ان اختلاف الروایة فیها لاختلاف عللها واسبابها، وانک لا تجد بحضرتک من تذاکره وتفاوضه ممن تثق بعلمه فیها، وقلت: انک تحب ان یکون عندک کتاب کاف یجمع (فیه) من جمیع فنون علم الدین، ما یکتفی به المتعلم، ویرجع

الیه المسترشد، ویاخذ منه من یرید علم الدین والعمل بالاثار الصحیحة عن الصادقین ع،[معجم رجال۱ص۸۲] والسنن القائمة التی علیها العمل، وبها یؤدی فرض الله عز وجل وسنة نبیه ص، وقلت: لوکان ذلک رجوت ان یکون ذلک سببا یتدارک الله (تعالی) بمعونته وتوفیقه اخواننا واهل ملتنا، ویقبل بهم الی مراشدهم .. وقد یسر الله- وله الحمد- تالیف ما سالت، وارجوان یکون بحیث توخیت فمهما کان فیه من تقصیر، فلم تقصر نیتنا فی اهداء النصیحة اذ کانت واجبة لاخواننا واهل ملتنا، مع ما رجونا ان نکون مشارکین لکل من اقتبس منه، وعمل بما فیه فی دهرنا هذا، وفی غابره الی انقضاء الدنیا، اذ الرب جل وعز واحد، والرسول محمد خاتم النبیین ص واحد، والشریعة واحدة، وحلال محمد حلال، وحرامه حرام الی یوم القیامة، ووسعنا قلیلا کتاب الحجة، وان لم نکمله علی استحقاقه لانا کرهنا ان نبخس حظوظه کلها»[۱].

استدلال کا بیان: سوال کرنے والے نے محمد بن یعقوب سے علم دین کے فنون پر صادقین ع سے منقول صحیح اثار کے ساتھ مشتمل جامع کتاب لکھنے کا سوال کیا تھا اور محمد بن یعقوب نے اس کی دعوت پر لبیک کہا تو ان کے لیے کتاب کافی تالیف کی اور ظاہر ہے کہ انہوں نے کتاب پوری کرنے کے بعد خطبہ لکھا اور فرمایا: خدا نے توفیق دی کہ جو تو نے کہا وہ تالیف ہو گئی تو یہ محمد بن یعقوب کی گواہی ہوئی کہ جو کچھ اپنی کتاب میں اثار صادقین ع لکھے ہیں وہ سب صحیح ہیں ۔

---

[۱] ۔ مقدمہ کافی ملاحظہ ہو۔

[مذکورہ استدلال میں نقد و نظر]

جو یہ کہا گیا کہ ظاہر ہے کہ خطبہ محمد بن یعقوب نے کافی کی تالیف کے بعد لکھا تو یہ بعید نہیں، بلکہ ایک حد تک یہ یقینی ہے کیونکہ انہوں نے فرمایا: ہم نے کتاب حجت میں قدرے تفصیل دی ہے لیکن یہ جو کہا گیا کہ محمد بن یعقوب نے گواہی دی کہ ان کی کتاب کی تمام روایات صحیح ہیں اور وہ سب صادقین سے منقول صحیح اثار ہیں تو اس کا ردّ یہ ہے اولا: سوال کرنے والے نے محمد بن یعقوب سے ایسی کتاب کا سوال کیا

جو صادقینؑ سے منقول صحیح اثار پر مشتمل ہو لیکن یہ شرط تو نہیں رکھی کہ وہ اس میں سوائے صحیح روایات کے کچھ ذکر نہ کریں [معجم رجال ا ص ۸۳]، یا جو صادقین ع کے علاوہ دوسروں سے صحیح سند سے نقل ہیں اور محمد بن یعقوب نے ان کی درخواست پوری کر دی اور ایسی کتاب لکھی جو دین کے تمام فنون میں صادقین سے منقول صحیح اثار پر مشتمل ہے اگرچہ وہ ان سے منقول غیر صحیح اثار پر بھی مشتمل ہے یا ان کے علاوہ دوسروں سے منقول صحیح اثار بھی ہیں جو ضمنی طور پر یا فائدہ کی خاطر تتمہ و تکملہ کے لیے ہیں؛ کیونکہ شاید غور کرنے والا ایک روایت کے صحیح ہونے کا استنباط کرے جس کو مولف صحیح نہیں سمجھتے یا اس کا صحیح ہونا ثابت نہیں اور اس بات کی گواہ یہ ہے کہ محمد بن یعقوب نے کافی میں بہت زیادہ روایات غیر معصومین سے بھی نقل کی ہیں اور کوئی حرج نہیں کہ ہم ان میں سے بعض کو بیان کریں:

کافی میں غیر معصومینؑ کی روایات

جو اس سند سے نقل کی: علی بن ابراہیم، عن ابیہ، عن بعض اصحابہ، عن ہشام بن الحکم، قال:

«الاشیاء لا تدرک الا بامرین ..».

جو بسند خود ابو ایوب نحوی سے نقل کی، اس نے کہا: «بعث الی ابوجعفر المنصور فی جوف اللیل ..»، نیز اسے اس سند سے نقل کیا: علی بن ابراہیم عن ابیہ، عن النضر بن سوید.

جسے بسند خود اسید بن صفوان صاحب رسول اللہ ص سے نقل کیا، اس کا بیان ہے: «لما کان الیوم الذی قبض فیه امیر المؤمنین ع ارتج الموضع بالبکاء».

جو بسند خود ادریس بن عبد اللہ اودی سے روایت کی، اس کا بیان ہے: «لما قتل الحسین ع، اراد القوم ان یوطئوه الخیل».

جو بسند خود فضیل سے روایت کی، اس کا بیان ہے: «صنائع المعروف وحسن البشر یکسبان [معجم رجال اص ۸۴] المحبة».

جو بسند خود ابن مسکان سے اور اس نے ابی حمزہ سے روایت کی، اس کا بیان ہے «المؤمن خلط عمله بالحلم ..».

جو بسند خود یمان بن عبید اللہ سے روایت کی، اس کا بیان ہے «رایت یحییٰ ابن ام الطویل وقف بالکناسة..».

جو بسند خود اسحاق بن عمار سے روایت کی، اس کا بیان ہے: «لیست التعزیة الا عند القبر..».

جو بسند خود یونس سے روایت کی، اس کا بیان ہے: «کل زنا سفاح، ولیس کل سفاح زنا ..» اور یہ طویل حدیث ہے جس کے لیے محمد بن یعقوب نے مستقل باب قائم کیا ہے۔

جو سند خود یونس سے روایت کی، اسکا بیان ہے: «العلة فی وضع السهام علی ستة لا اقل ولا اکثر»۔

نیز یونس کا بیان نقل کیا: «انما جعلت المواریث من ستۃ اسہم..». وقد جعل لہما ایضا محمد بن یعقوب بابا مستقلا..».

جو بسند خود ابراہیم بن ابی البلاد سے روایت کی، اسکا بیان ہے: «اخذنی العباس بن موسی..».

جو بسند خود کتاب ابی نعیم طحان سے روایت کی، اس نے اس سند سے نقل کیا: شریک، عن اسماعیل بن ابی خالد، عن حکیم بن جابر، عن زید بن ثابت انہ قال: «من قضاء الجاہلیۃ ان یورث الرجال دون النساء».

جو بسند خود اسماعیل بن جعفر سے روایت کی، اس کا بیان ہے: «اختصم رجلان الی داود ع[معجم رجال ۱ص۸۵] فی بقرۃ..».

ثانیا: اگر مان لیا جائے کہ محمد بن یعقوب نے گواہی دی کہ کافی کی تمام روایات صحیح ہیں تو یہ گواہی قبول نہیں کیونکہ

۱) اگر انہوں نے مراد لیا ہو کہ ان کی کتاب کی تمام روایات حقیقت میں حجیت اور اعتبار کی شرائط پر مشتمل ہیں تو یہ یقینی طور پر باطل ہے کیونکہ ان میں مرسلہ روایات ہیں جن کی سند میں بعض راویوں کے نام بھی ذکر نہیں اور کچھ ایسی روایات ہیں جن کی سندوں میں مجہول الحال راوی ہیں اور کچھ ایسے جو حدیثیں جعل کرنے اور جھوٹ بولنے میں مشہور ہیں جیسے ابو البختری اور اس جیسے افراد.

۲) اور اگر ان کی مراد یہ ہو کہ وہ روایات اگرچہ حقیقت میں حجت اور معتبر نہیں مگر خارجی قرائن ان کے صحیح ہونے اور ان پر اعتماد لازم ہونے پر دلالت کرتے ہیں تو یہ بات اپنی حد تک ممکن ہے، لیکن ہمارے لیے اس کی تصدیق کرنے کی گنجائش نہیں اور جب تک ان روایات میں حجیت کی شرائط نہ پائی جائیں تو ان روایات پر صحیح ہونے کے اثار مرتب نہیں

کریں گے کہ وہ بہت زیادہ ہیں اور بہت بعید ہے کہ ان تمام موارد میں صداقت کی علامات پائی جاتی ہیں۔ مزید یہ کہ محمد بن یعقوب کا خبر دینا کہ ان کی کتاب کی تمام روایات صحیح ہیں تو یہ گواہی نہیں بلکہ یہ ان کا اجتہاد ہے جو انہوں نے اپنے عقیدہ کے مطابق صداقت کے قرائن سے سمجھا ہے اور ممکن ہے کہ جو انہوں نے صداقت کا قرینہ سمجھا ہو اگر وہ ہمیں مل جائے تو ہمیں صداقہ کا گمان بھی پیدا نہ ہو چہ جائیکہ اس سے اس بات کا یقین ہو۔

۳) اور کافی میں شاذ روایات بھی پائی جاتی ہیں اگر ہم یہ دعوی نہ کریں کہ ان کے معصوم سے صادر نہ ہونے کا یقین ہے تو اس بات کا اطمینان ہونے میں کوئی شک نہیں، ان سب کے باوجود کیسے ممکن ہے کہ کافی کی تمام روایات کے کے صحیح ہونے کے یقین کا دعوی کیا جائے اور وہ سب معصومین سے صادر ہیں۔ اور اس بات کی تاکید کافی کی تمام روایات صحیح نہیں ہیں، یہ ہے کہ شیخ صدوق کافی کی تمام روایات کو صحیح نہیں سمجھتے اور اسی طرح ان کے استاد محمد بن حسن بن ولید بھی جیسا کہ پہلے گزر چکا کہ شیخ صدوق روایات کو صحیح یا ضعیف قرار دینے میں اپنے استاد کی پیروی کرتے تھے. [معجم رجال ا ص ۸۶] تو خلاصہ یہ ہے کہ کافی کی تمام روایات کا صحیح ہونا ثابت نہیں بلکہ شک نہیں کہ ان میں سے بعض ضعیف ہیں بلکہ بعض میں اطمینان ہے کہ وہ معصوم سے صادر نہیں ہوئی اور خدا تعالی حقائق کو جانتا ہے. [معجم رجال ا ص ۸۷]

فصل ثانی: " من لایحضرہ الفقیہ " کی روایات کے صحیح ہونے کی بحث

اور کتاب من لایحضرہ الفقیہ کی تمام روایات صحیح ہونے پر اس کتاب کے مقدمہ میں موجود عبارت سے استدلال کیا گیا، جو انہوں نے فرمایا: اور میں نے مصنفین کی طرح ارادہ نہیں کیا کہ جو کچھ انہوں نے نقل کیا وہ سب لکھ دیں بلکہ میرا ارادہ ہے کہ صرف وہ کچھ لکھوں جن پر میں فتوی دیتا ہوں اور جن کے صحیح ہونے کا حکم لگاتا ہوں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ میرے اور میرے رب کے درمیان حجت ہے اس کا ذکر پاکیزہ ہے اور اس کی قدرت بلند ہے

اور جو کچھ میں نے اس میں لکھا وہ مشہور کتابوں سے لیا جن پر اعتماد کیا جاتا ہے اور ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے... وغیرہ اصول اور کتابیں جن کی طرف میری سندیں کتابوں کی فہرستوں میں معروف ہیں جن کتابوں کو میں نے اپنے مشائخ اور اسلاف سے نقل کیا خدا ان سے راضی و خوشنود ہو؛ «ولم اقصد فی قصد المصنفین فی ایراد جمیع ما رووه، بل قصدت الی ایراد ما افتی به واحکم بصحته، واعتقد فیه انه حجة فیما بینی وبین ربی تقدس ذکره، وتعالت قدرته، وجمیع ما فیه مستخرج من کتب مشهورة علیها المعول والیها المرجع .. وغیرها من الاصول والمصنفات التی طرقی الیها معروفة فی فهرس الکتب التی رویتها عن مشایخی واسلافی رضی الله عنهم».

اور جواب: اس کلام کی اس بات پر دلالت واضح ہے کہ شیخ صدوق کی کتاب فقیہ کی تمام روایات ان کے نزدیک صحیح ہیں اور وہ انہیں اپنے اور اپنے رب کے درمیان حجت سمجھتے ہیں، مگر ہم نے بیان کیا کہ متقدمین میں سے کسی عالم کا کسی روایت کو صحیح قرار دینا اسے کوئی فائدہ نہیں دیتا جو روایت کے حجت ہونے میں راوی کے ثقہ و معتمد یا حسن ہونے کو شرط سمجھتا ہے۔

نیز ہم یہ بھی جان چکے کہ شیخ صدوق نے تصریح کی ہے جیسا کہ گزر چکا کہ وہ روایت کو ضعیف یا صحیح قرار دینے میں اپنے شیخ ابن ولید کی پیروی کرتے ہیں، اور وہ خود راوی کی حالت کو نہیں دیکھتے کہ وہ ثقہ و معتمد ہے یا غیر معتمد۔

نیز یہ کہ ان کے سابقہ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہر روایت جو ان کے استاد شیخ ابن ولید یا دوسرے مشائخ عظام اور علماء اعلام کی کتاب میں تھی اس کو شیخ صدوق نے صحیح روایت سمجھ لیا اور اسے اپنے اور اپنے رب کے مابین حجت سمجھا۔ اس بناء پر انہوں نے اپنی کتاب میں

مرسلہ روایات کا ایک گروہ ذکر کر دیا تو کیا ہمارے لیے ممکن ہے کہ ان کو اس وجہ سے صحیح قرار دیں کہ شیخ صدوق ان کو معتبر سمجھتے ہیں؟[معجم رجال ا ص ۸۸]

بہر حال شیخ صدوق کا کسی روایت کے صحیح اور حجت ہونے کی خبر دینا ان کی رائے اور نظریہ کا بیان ہے اور یہ دوسروں کے لیے حجت نہیں۔[معجم رجال ا ص ۸۹]

فصل ثالث: تہذیبین کی روایت صحیح ہونے کی بحث

اور جیسا کہ کہا گیا ہے تہذیبین کی تمام روایات صحیح ہونے کے لیے اس سے استدلال کیا گیا جو محقق فیض کاشانی نے وافی میں شیخ طوسی کی عدۃ الاصول سے نقل کیا کہ شیخ نے فرمایا: جو کچھ روایات میں نے اپنی روایات کی کتابوں میں ذکر کیں ان کو میں نے معتمد اصول و کتب سے لیا ہے «ان ما اورده فی کتابی الاخبار انما اخذه من الاصول المعتمد علیها».

یہ کلام گواہی ہے کہ ان کی دونوں کتابوں کی روایات ان کتابوں سے لی گئی ہیں تو یہ صحیح ہیں۔

اور جواب: اولا: ہم نے کتاب عدۃ الاصول میں یہ منقول جملہ نہیں پایا اور ظاہر ہے کہ فیض کاشانی نے یہ جملہ شیخ طوسی کی طرف اپنے گمان سے منسوب کر دیا جو انہوں نے ان کے کلام سے سمجھا، کہ شیخ نے جب اپنا نظریہ بیان کیا کہ خبر واحد تب حجت ہوتی ہے جب وہ ہمارے امامت کے قائل اصحاب کی سند سے منقول ہو اور وہ نبی اکرم ﷺ یا ائمہؑ میں سے ایک سے نقل ہو اور راوی ایسا ہو کہ روایت کے معاملہ میں مطعون اور متہم نہ ہو اور نقل میں پختہ ہو اور فرمایا: اس بات کی دلیل فرقہ حق کا اجماع ہے کہ میں نے انہیں ان روایات پر عمل کرنے میں متفق پایا جن کو انہوں نے اپنی تصانیف میں نقل کیا ہے یہاں تک کہ ان میں سے کوئی ایک جب کوئی ایسا فتوی دیتا ہے جسے وہ نہیں جانتے تو اس سے پوچھتے ہیں کہ اپ نے کہاں سے کہا؟ پس جب وہ انہیں کسی کتاب معروف یا مشہور اصل اور اس کی روایت کا حوالہ دے اور اس کا راوی ثقہ و معتمد ہو اس کی حدیث منکر و برے مضمون پر مشتمل نہ ہو تو خاموش ہو جاتے ہیں

اور اور اس کی بات مان لیتے ہیں اور حجیت خبر واحد سے متعلقہ چند اعتراضات اور ان کے جوابات ذکر کرنے کے بعد فرمایا: اور جو چیز ان روایات پر عمل کرنے کی دلیل ہے وہ فرقہ حقہ کا اختلاف ظاہر ہے جو ان کے عمل سے صادر ہوا ہے، پس میں نے ان کو احکام میں مختلف نظریات میں پایا کہ ان میں سے کوئی ایک تمام ابواب فقہ میں طہارت سے دیات تک عبادات ،احکام، معاملات وغیرہ میں ایک فتوی دیتا ہے جو دوسرا نہیں دیتا، جیسے ان کا عدد اور روزہ میں رویت ہلال میں اختلاف، ان کا تین طلاقیں بولنے میں یہ اختلاف کہ وہ ایک شمار ہوگی یا تین، اور ان کا باب طہارت میں پانی کی مقدار میں اختلاف جسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی اور ان کا کر کی مقدار میں اختلاف، اور ان کا سر اور پاوں کے مسح کے لیے جدید پانی لینے میں اختلاف، اور ان کا نفاس کی زیادہ مقدار میں اختلاف، اور ان کا اذان واقامت کی فصلوں میں اختلاف، اور ان کے ابواب فقہ میں دیگر اختلافات یہاں تک کہ اس میں کوئی باب سالم نہیں مگر میں نے گروہ شیعہ کے علماء کو اس کے مسائل میں مختلف فتاوی میں پایا اور میں نے ان سے فقہ میں منقول مختلف احادیث کو اپنی دو کتابوں استبصار اور تہذیب الاحکام میں ذکر کیا ہے جو پانچ ہزار سے زیادہ ہیں اور میں نے ان میں سے اکثر میں عمل کے لحاظ سے گروہ شیعہ کا اختلاف بھی سنا اور یہ بہت واضح بات ہے۔

«والذی یدل علی ذلک اجماع الفرقة المحقة، فانی وجدتها مجمعة علی العمل بهذه الاخبار التی رووها فی تصانیفهم، ودونوها فی اصولهم لا یتناکرون ذلک ولا یتدافعونه، حتی ان واحدا منهم اذا افتی بشیء لا یعرفونه سالوه من این قلت هذا؟ فاذا احالهم الی کتاب معروف اواصل مشهور وروایته، وکان راویه ثقة لا ینکر حدیثه، سکتوا وسلموا الامر فی ذلک، وقبلوا قوله ..». وقال بعد ما ذکر جملا من الاعتراض علی حجیة

الخبر واجاب عنها: «ومما يدل ايضا على جواز العمل بهذه الاخبار التى اشرنا اليها ما ظهر من الفرقة المحقة من الاختلاف الصادر عن العمل بها، فانى وجدتها مختلفة[معجم رجال۱ص۹۰] المذاهب فى الاحكام، ويفتى احدهم بما لا يفتى به صاحبه فى جميع ابواب الفقه من الطهارة الى باب الديات من العبادات والاحكام والمعاملات والفرائض وغير ذلک، مثل اختلافهم فى العدد والرؤية فى الصوم، واختلافهم فى ان التلفظ بثلاث تطليقات هل يقع واحدة ام لا، ومثل اختلافهم فى باب الطهارة فى مقدار الماء الذى لا ينجسه شىء، ونحواختلافهم فى حد الكر، ونحواختلافهم فى استئناف الماء الجديد لمسح الراس والرجلين، واختلافهم فى اعتبار اقصى مدة النفاس، واختلافهم فى عدد فصول الاذان والاقامة وغير ذلک فى سائر ابواب الفقه حتى ان بابا منه لا يسلم الا وجدت العلماء من الطائفة مختلفة فى مسائل منه اومسالة متفاوتة الفتاوى. وقد ذكرت ما ورد عنهم ع فى الاحاديث المختلفة التى يختص الفقه فى كتابى المعروف بالاستبصار وفى كتاب تهذيب الاحكام ما يزيد على خمسة الاف حديث، وذكرت فى اكثرها اختلاف الطائفة فى العمل بها، وذلک اشهر من ان يخفى»[1].

اور محقق کاشانی نے ان دو جملوں کی دلالت یہ سمجھی کہ شیخ نے اپنی دو کتابوں میں صرف وہ روایات ذکر کی ہیں جو معتمد اور اصحاب کے نزدیک کے نزدیک قابل عمل کتابوں سے لی گئی

---

[1] ۔ عدۃ الاصول ج۱، بحث خبر واحد۔

ہیں لیکن ظاہر ہے کہ یہ ایسا خیال ہے جس کی کوئی اساس اور بنیاد نہیں ہے اور شیخ کے کلام میں یہ دلالت نہیں کہ ان کی کتابوں کی تمام روایات معروف کتاب یا مشہور اصل سے لی گئیں بلکہ اس میں اس بات کا اشارہ بھی نہیں۔

نیز یہ کہ شیخ نے بیان کیا کہ معروف کتاب یا مشہور اصل میں موجود حدیث کا انکار نہ کرنا تب ہے جب راوی ثقہ اور معتمد ہو تو یہ شیخ کی گواہی کہاں ہوئی کہ معروف کتاب یا مشہور اصل کی تمام روایات صحیح ہیں اور اصحاب ان کا انکار نہیں کرتے ؟

اور اس بات کی تائید یہ ہے کہ شیخ نے اپنی دونوں کتابوں میں کئی جگہ ذکر کیا : یہ روایت ضعیف ہے اس پر عمل نہیں کیا جاتا اور اسے ان کتابوں سے نقل کا ی جن سے بقیہ روایات نقل کی ہیں تو کیسے ممکن ہے کہ ان کی طرف نسبت دی کہ وہ ان کتابوں کی تمام روایات کو صحیح سمجھتے ہیں ؟

ثانیا: اورا گر مان لیا جائے کہ شیخ نے اپنی دونوں کتابوں ک ی تمام روایات کو صحیح ہونے کی گواہی دی تو یہ شیخ صدوق کی گواہی سے زیادہ نہیں جو انہوں نے اپنی کتاب کی تمام روایات کو صحیح ہونے کی گواہی دی، تو اس میں وہی جواب ہے جو شیخ صدوق نے حدیث صحیح اور حجت ہونے میں دی تھی کہ وہ دوسروں کے لیے حجت نہیں ہے [معجم رجال ا ص ۹۱]، چونکہ حجیت کی شرائط نظریات کے لحاظ سے مختلف ہیں۔

اور اس سب بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ کتب اربعہ کی تمام روایات صحیح ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ ان کی ہر راویت کی سند کی تحقیق ضروری ہے جب اس میں حجت ہونے کی شرائط پائی جائین تو اس کو لیا جائے ورنہ نہیں۔ [معجم رجال ا ص ۹۳]

مقدمہ ششم: معتبر اصول رجالیہ اور رجال ابن عضائری کا نقد

معتبر کتب رجالی کا تعارف۔

رجال عضائری کی نسبت میں شک۔

اس کے جعلی و وضعی ہونے کا حکم. [معجم رجال ا ص ۹۵]

شیعہ علم رجال کی بنیادی اور اساسی کتابیں پانچ ہیں:

۱۔ رجال برقی

اسے شیخ طوسی نے فہرست میں طبقات رجال سے تعبیر کیا ہے اور علامہ حلی نے خلاصۃ الاقوال میں اس کتاب سے بہت استفادہ کیا ہے اور اپنے اجازہ کبیرہ میں وغیرہ میں اپنی سند فہرست شیخ اور جن کتابوں پر وہ فہرست مشتمل ہے ان تک پہنچائی.

۲۔ رجال ابو عمرو کشی

ہم نے بیان کیا کہ یہ کتاب علامہ حلی اور ان کے بعد والے علماء کو نہیں ملی جہاں تک ہم جانتے ہیں اور ان کے پاس کتاب کشی کی تلخیص جو شیخ نے بنائی وہ پہنچی.

۳۔۵ رجال و فہرست شیخ و رجال نجاشی[1].

[1]۔ مصنف نے کتب رجالیہ کی شناخت میں ان کی شہرت کی بدولت ان کے بارے میں خاطر خواہ معلومات ذکر نہیں کیں حالانکہ مناسب تھا کہ بقدر ضرورت ان کی بعض خصوصیات علمی کی طرف اشارہ کیا جاتا، لیکن مصنف نے بعد میں بہت ہی مختصر انداز میں ان کی بعض خصوصیات کی طرف اشارہ کیا ہے، دار الحدیث قم سے جامع کتاب " باز شناسی اصول رجالی شیعہ " کے عنوان سے شائع ہوئی وہ نہایت جامع ہے اور دیگر متاخرین نے بھی ان کے بارے میں بحثیں کیں ہیں۔

رجال برقی کے علاوہ یہ کتابیں مشہور ہیں جنہیں نسل بعد از نسل لیا گیا اور ان کا ثبوت کسی دلیل و برہان کا محتاج نہیں اور انہیں علامہ حلی نے اپنے اجازہ کبیرہ میں ذکر کیا اور ان کی طرف اپنی سندیں بیان کیں.

[کتاب ابن عضائری سے متعلق بحث]

جبکہ ابن عضائری کی طرف منسوب کتاب تو وہ ثابت نہیں اسے علامہ حلی نے اپنے اجازہ کبیرہ میں ذکر نہیں کیا جس میں کتابوں کی طرف سندیں بیان کیں بلکہ اس کتاب کا نجاشی اور شیخ کے زمانہ میں موجود ہونا مشکوک ہے کیونکہ نجاشی نے تو اصلا اس کا ذکر نہیں کیا حالانکہ وہ ان کتابوں کا ذکر کر رہے تھے جن کو امامیہ نے لکھا حتی اس میں ایسی کتابیں لکھیں جن کو دیکھا تک نہیں اور دوسروں سے سنا یا اس کی کتاب میں پایا تو کیسے وہ اپنے استاد حسین بن عبیداللہ [معجم رجال اص۹۶] یا ان کے بیٹے احمد کی کتاب کو بیان نہ کریں جبکہ حسین بن عبیداللہ کا عنوان قائم کیا اور ان کی کتابیں ذکر کیں اور اس میں کتاب رجال کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ احمد بن حسین سے کئی جگہوں پر نقل کیا لیکن ان کی کتاب رجال کا بیان نہیں کیا ہاں شیخ نے مقدمہ فہرست میں احمد بن حسین کی دو کتابوں کا ذکر کیا ہے اور بتایا کہ ان میں سے ایک تصنیفات کے بارے میں اور دوسری اصول کے بارے میں تھی اور ان کی مدح کی لیکن بعض سے نقل کیا کہ ان کے بعض ورثہ نے ان کو ضائع کر دیا جبکہ ان کا کوئی نسخہ نہیں بنایا تھا۔

اس سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ابن عضائری کی طرف منسوب کتاب ثابت نہیں بلکہ بعض نے یقین کیا ہے کہ یہ جعلی کتابیں ہیں جنہیں بعض مخالفین نے جعلک کر کے ابن عضائری کی طرف نسبت دے.

اور اس بات کی تاکید کہ اس کی نسبت ابن عضائری کی طرف صحیح نہیں ہے یہ ہے کہ نجاشی نے خیبری کے ترجمہ میں ابن عضائری سے نقل کیا کہ وہ مذہب میں ض یف ہے لیکن اس منسوب کتاب میں ہے: وہ حدیث میں ضعیف اور مذہب میں غالی ہے، پس اگر اس کتاب کی

نسبت صحیح ہو تو نجاشی کا بیان اس میں ہوتا بلکہ اس کتاب سے منقولات میں اختلافات جیسا کہ صالح بن عقبہ بن قیس وغیرہ کے بارے میں ہے اس کے ثابت نہ ہونے کی تائید کرتے ہیں بلکہ کئی موارد میں ایک نسخہ میں ایک شخص کا تعارف ہے جبکہ دوسرے میں نہیں ہے جو سب اسی بات کی تائید کرتے ہیں۔

بلکہ عمدہ اور بہترین دلیل یہ ہے کہ مقتضی ناقص ہے اور خود یہ کتاب ثابت نہیں ہے اگرچہ علامہ حلی کے خلاصہ سے ظاہر ہے کہ وہ اس کتاب پر اعتماد کرتے اور اس سے راضی تھے اور شہید ثانی اور اغا حسین خونساری نے بھی اس کتاب کو اپنے دو اجازوں میں ذکر کیا اور اسے حسین بن عبید اللہ عضائری کی طرف نسبت دی لیکن جان چکے کہ یہ حقیقت کے خلاف ہے ،رجوع کریں۔

[فہرست نجاشی و شیخ کی روش]

پھر نجاشی نے کتاب کے شروع میں تعہد کیا کہ وہ اس میں اپنے اصحاب میں سے صاحبان کتب کا ذکر کریں گے خدا ان سب سے راضی ہو پس جس کو وہ اپنی کتاب میں ذکر کریں تو وہ امامی ہونگے مگر اس کے خلاف کی تصریح کریں کہ انہوں نے بعض موارد میں غیر شیعہ کو بھی ذکر کیا ہے اور انہیں ضمنی طور پر بیان کیا ہے لیکن انہوں نے ان کے منحرف اور دیگر فاسد مذاہب کا پیرو ہونے کی تصریح کی۔

جبکہ شیخ طوسی نے اپنی فہرست کے شروع میں کوئی ایسا تعہد نہیں کیا بلکہ اس میں مصنفین اور صاحبان اصول کو جمع کرنے کی بات کی ہے [معجم رجال ا ص ۹۷] اگرچہ ان کا عقیدہ حق کے خلاف اور وہ فاسد مذہب کا پیرو ہو تو ان کا کسی کو اپنی کتاب میں ذکر کرنا جب اس کے مذہب کو بیان نہ کریں اس شخص کے خاص معنی میں امامی ہونے کی دلیل نہیں ہے ہاں اس کے غیر عامی ہونے کو سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ وہ عام معنی میں امامیہ کی کتب کو جمع کرنا چاہتے تھے۔

[رجال شیخ کی روش اور بعض راویوں کے اصحاب ائمہ اور باب لم یرو عنھمؑ میں تکرار کا مسئلہ]
شیخ نے رجال میں راویوں کو جمع کرنا چاہا اور جن کی معصومین سے روایت ہے چاہے بلا واسطہ ہو یا بالواسطہ، چاہے وہ امامی ہو یا نہ، تو انکا کسی کو رجال میں ذکر کرنا اس کے امامی ہونے کی دلیل نہیں ہوگا چہ جائیکہ وہ اس کے مومن ہونے کی دلیل ہو۔
پھر شیخ نے رجال کے شروع میں فرمایا: اما بعد میں نے شیخ فاضل کی درخواست پر ایسی کتاب جمع کرنا چاہی جس میں نبی اکرم اور ائمہ سے تا زمان امام قائم ان سے روایت کرنے والوں کے نام جمع کروں پھر اس کے بعد ائمہ کے بعد کے زمانہ کے راویوں کے نام جمع کروں یا وہ راوی جو ائمہ کے ہم عصر تھے مگر انہوں نے ائمہ سے روایت نہیں کی؛ «اما بعد فانی قد اجبت الی ما تکرم به الشیخ الفاضل فيه من جمع كتاب يشتمل على اسماء الرجال الذين رووا عن النبی ص، وعن الائمة ع من بعده، الى زمن القائم عجل الله فرجه الشريف، ثم اذكر بعد ذلک من تاخر زمانه عن الائمة ع من رواة الحديث، اومن عاصرهم ولم يروعنهم».
اس طرح کئی موارد میں ایسا ہوا کہ شیخ نے معصومینؑ کے اصحاب میں ایک نام لکھا پھر اس باب میں اس کو ذکر کیا جو ائمہ سے روایت نہیں کرتے۔
اس طرح دو متناقض اور متضاد چیزوں کو جمع کر دیا کیونکہ کیسے ممکن ہے کہ ایک ہی شخص معصومین کو درک کرے اور ان سے روایت کرے پھر اس کو اس باب میں ذکر کیا جائے کہ وہ ائمہ سے روایت نہیں کرتا، اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ایسی باتیں کی گئی ہیں جن کا کوئی مفید نتیجہ نہیں۔

۱) اس کے اصحاب معصومین میں ذکرنے سے مراد یہ ہو کہ وہ معصومین کا ہم عصر تھا اگرچہ اسے معصوم کی زیارت اور ان سے روایت نصیب نہیں ہوئی پس اس کو اس باب میں بیان کیا جاسکتا ہے جس میں ان کے نام ہیں جو ائمہ سے روایت نہیں کرتے۔

اسکے دو جواب ہیں:

۱: یہ بات شیخ کی صریح عبارت کے خلاف ہے کہ انہوں نے پہلے ابواب میں نبی اکرم اور ائمہ سے روایت کرنے والوں کے نام لکھنے ہیں پھر اخری باب میں ان کے نام لکھنے ہیں جنہوں نے ان سے روایت نہیں کی چاہے وہ ان کا ہمعصر رہا ہو یا نہ۔

۲: یہ بات کئی موارد میں صحیح نہیں بنتی کیونکہ انہوں نے جن راویوں کو اس اخری باب میں لکھا جو معصومین سے روایت نہیں کرتے [معجم رجال ا ص ۹۸] جبکہ انہوں نے معصومین سے روایت کی ہے جیسا کہ اس کے موارد اس کتاب میں رجال کی تفصیلات میں ائیں گی ان شاء اللہ تعالی.

۲) دوسرے یہ حل پیش کیا گیا کہ ایک شخص نے جب کسی معصوم سے بلا واسطہ روایت کی ہو تو اس کو ان کے اصحاب میں شمار کیا جاسکتا ہے اور جب اس کی کسی معصوم سے بالواسطہ روایت ہو تو اس کو اس باب میں ذکر کیا جاسکتا ہے جنہوں نے معصوم سے روایت نہیں کی۔ تو ان دو باتوں میں کوئی اختلاف نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ کسی شخص کی معصوم سے بالواسطہ روایت اس بات کا موجب اور سبب نہیں بنتی کہ اس کو اس اخری باب میں لایا جائے جس میں معصوم سے روایت نہ کرنے والوں کے نام ہیں جبکہ اس نے امام سے بلا واسطہ روایت بھی نقل کی ہے اور وہ حدیث کی روایت کرنے والوں میں شامل ہے نہ کہ وہ فقط بالواسطہ روایت کرنے والوں میں ہے اگر ایسا ہو تو تمام اصحاب معصومین کو اسی اخری باب میں لایا جائے کیونکہ انہوں نے بالواسطہ روایات نقل کی ہیں مگر کوئی قلیل کیونکہ ان کے اصحاب میں بہت کم ہیں جنہوں نے ان سے بالواسطہ روایت نہیں کی اس کے موارد ائیں گے ان شاء اللہ تعالی.

۳) تیسرے یہ حل پیش کیا گیا کہ دونوں موارد میں شیخ کے کلام کے ظاہری معنی کو باقی رکھا جائے تو دونوں راویوں کو علیحدہ شمار کیا جائے اور جس شخص کو معصوم کا صحابی شمار کیا وہ اور شخص ہے اور جس کو اخری باب میں ذکر کیا وہ دوسرا شخص ہے اگرچہ دونوں کے نام ایک جیسے ہوں۔اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ کچھ موارد میں اس بات کو مانا جاسکتا ہے لیکن بہت سے موارد میں ایک ہی شخص ہے جیسے فضالہ بن ایوب، کہ شیخ نے اس کو امام کاظم و رضا کے اصحاب میں شمار کیا پھر اس کو اخری باب میں لائے جس میں معصوم سے روایت نہ کرنے والوں کے نام ہیں اور اسی طرح محمد بن عیسی عبیدی، کہ اس کو امام رضا ، ہادی اور عسکری کے اصحاب میں شمار کیا پھر [معجم رجال،ص۹۹] اخری باب میں لائے جس میں ان کے نام ہیں جو معصوم سے روایت نہیں کرتے اور اسی طرح قاسم بن محمد جوہری ہے کہ اسے امام صادق کے اصحاب میں شمار کیا پھر باب لم یرو عنھم میں لائے وغیرہ موارد جو رجال کی تفصیل میں ائیں گے ان شاء اللہ تعالی.

[رجال شیخ میں بعض راویوں کے اصحاب معصومؑ اور باب لم یرو عنھمؑ میں تکرار مولف کا نظریہ]

۴) اس مسئلہ کی صحیح توجیہ[1] یہ ہے کہ یہ موارد ان بلند پایہ شیخ سے غفلت اور نسیان یعنی بھول چوک کی وجہ سے صادر ہوئے جب انہوں نے کسی شخص کو اس اخری باب میں ذکر کیا جس میں معصوم سے روایت نہ کرنے والوں کے نام ہیں۔

---

[1] ۔اس بات میں کوئی شک نہیں کہ سوائے انبیاء اور ائمہ و اولیاء معصومین کے کسی کی عصمت کی ضمانت نہیں دی گئی خاص کر جب بات علمی و فکری کاوشوں کی آتی ہے تو ہر شخص اپنی توان کے مطابق علمی مسائل کے حل کی کوشش کرتا ہے اور کتنا ممکن ہوتا ہے کہ اس میں اشتباہات پائے جائیں لیکن اس مسئلہ میں ان چار کے علاوہ بھی راہ حل ہیں ان میں سے ایک وہ جو محقق معاصر نے معرفۃ الحدیث میں پیش کیا جس کا ترجمہ و تحقیق ہم نے تاریخ حدیث شیعہ در عصر حضور تا زمان شیخ طوسی کے عنوان سے پیش کیا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شیخ اس مسئلہ میں بہت حد تک سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے تھے اور جب کسی کو اس طرح دو ابواب میں تکرار کرتے تو ان کی غرض اسی باب لم یرو عنھم کی تاکید تھی یعنی اگرچہ اس کو معصومین کے اصحاب میں

اس وقت وہ اس بات کو بھول چکے تھے کہ اس کو معصومینؑ کے کسی باب میں بھی ذکر کر چکے ہیں کیونکہ شیخ تالیف وتدریس میں بکثرت مشغول رہتے تھے اور اس وجہ سے ان کی تالیفات میں خطا اور اشتباہ کا امکان تھا اس لیے ایک ہی شخص کو ایک ہی باب میں دو دو بار بھی لکھا ہے اور ایک شخص کو اپنی فہرست میں دو دو بار تعارف کرایا ہے اور ان کی تہذیبین میں اشتباہات اور غلطیاں بہت زیادہ ہیں جن کو اس کتاب میں کئی موارد میں جان لو گے؛ان شاء اللہ تعالی.
اور صاحب حدائق ناضرہ کا قول پہلے گزر چکا ہے: تہذیب میں کوئی قلیل حدیث ہوگی جو تحریف و تبدیلی اور کمی زیادتی سے خالی ہوگی جو اس کی سند یا متن میں وارد ہوئی «قل ما یخلوحدیث فی التهذیب من ذلک (التحریف، والتصحیف، والزیادة، والنقصان) فی متنه اوسنده».

[رجال شیخ میں "اسند عنہ" کا معنی]

پھر شیخ طوسی نے اپنی کتاب میں امام صادق کے اصحاب میں کئی موارد میں راوی کے نام کے بعد فرمایا: «اسند عنه».

اس جملہ کے معنی اور کے عربی ادب میں کس طرح پڑھا جائے اس میں اختلاف واقع ہوا ہے کبھی اس کو فعل معلوم کے طور پر پڑھا گیا اور کبھی اسے فعل مجہول پڑھا گیا اور اس کا کوئی ایسا معنی بھی نہیں مل سکا جو ہر قسم کے اشکال سے خالی ہو اس جملہ کے معنی یہ چند وجہیں بیان ہوئیں:

شمار کیا گیا لیکن اس کی معصوم سے حدیث ثابت نہیں اور اس کے موارد بھی اسی کتاب میں ہم نے حوالہ جات اور تحقیق کے ساتھ بیان کر دیئے ہیں تکرار کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ ا۔ کہا گیا کہ یہ فعل معلوم ہے اور اس کا معنی ہے کہ اس نے امام صادق سے بالواسطہ روایت کی ،اگرچہ یہ معنی اپنی حد تک ظاہر ہے اور اس کا اس معنی میں استعمال بھی عام اور متعارف ہے کہا جاتا ہے: روی الشیخ الصدوق باسناده عن حریز مثلا، اور اس سے مراد لیا جاتا ہے کہ شیخ صدوق نے ان سے بالواسطہ روایت کی اور اسکی تائید یہ ہے کہ شیخ نے غیاث بن ابراہیم کے بارے میں فرمایا: اسند عنه، واس نے روایت کی :از ابی الحسن ع ،تواس کلام سے ظاہر ہے کہ اس نے امام صادق سے بلاواسطہ روایت نہیں کی بلکہ ان سے بالواسطہ روایت کی مگر یہ بات کئی لحاظ سے صحیح نہیں ہو گی: [معجم رجال ا ص ۱۰۰]

۱) اگر یہ بات صحیح ہو تو اس کی یہ وجہ نہیں ہو گی کہ اس شخص کو امام صادق کے اصحاب میں شمار کیا جائے کیونکہ اس نے امام سے بالواسطہ روایت کی تو اس کو اخری باب لم یرو عنھم میں جانا چاہیے یا جس امام سے اس نے بلاواسطہ روایت کی ان کے باب میں ذکر کیا جائے۔

۲) بہت سے افراد جن کو امام صادق کے اصحاب میں ذکر کیا اور ان کے بارے میں یہ جملہ کہا گیا ان کو شیخ و نجاشی نے فہرست میں ذکر کیا ہے اور ان کے بارے میں کہا ہے کہ انہوں نے امام صادق سے روایت کی ہے اور اس کے موارد بعد میں جان لیں گے ؛ان شاء اللہ تعالی.

۳) یہ بات شیخ کے بیانات سے مخالفت رکھتی ہے جو انہوں نے جابر بن یزید جعفی، محمد بن اسحاق بن یسار، محمد بن مسلم بن رباح، کے بارے میں کہی : اسند عنہ، اس سے روایت کی: ما، تو جب اس جملہ کا معنی یہ ہو کہ اس نے امام صادق سے واسطہ کے ساتھ راویت کی تو اس کے امام صادق سے بلاواسطہ روایت کرنے کے ساتھ کیسے جمع ہو سکتا ہے ؟.

وجہ ۲: کہا گیا کہ یہ فعل مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا معنی یہ ہے کہ جلیل القدر اصحاب نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے روایت نقل کی تو یہ ان راویوں کے بارے میں مدح ہے۔

اسکا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ اس لفظ کے ظاہری معنی کے خلاف ہے پھر جن کے بارے میں شیخ نے یہ جملہ کہا ہے ان میں سے اکثر مجہول الحال اور غیر معروف ہیں بلکہ ان میں سے بعض کی ایک روایت بھی نہیں ملتی جیسا کے اس کے موارد بیان ہونگے ان شاء اللہ تعالی. اورا گر اس جملہ سے مراد یہی ہوتی ہو امام صادق بلکہ امام باقر و کاظم کے انہی اصحاب کے بارے میں یہ بات نہ کہی جاتی بلکہ شیخ اس کو تمام معصومین کے ان اصحاب کے بارے میں استعمال کرتے جو صداقت اور نیکوکاری میں معروف تھے جیسے اصحاب اجماع اور ان افراد عظمت و جلالت میں ان کے ہم پلہ تھے۔

وجہ ۳: کہا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ اس کی روایات امام صادق سے خاص ہیں اور اس نے کسی دوسرے معصوم سے روایت نہیں کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اولا تو یہ اس لفظ کے ظاہری معنی کے خلاف ہے کیونکہ اس میں حصر پر دلالت نہیں ہے پھر یہ شیخ کی تصریح کے خلاف ہے [معجم رجال اص ۱۰۱] کہ خود انہوں نے بیان کہ اس نے امام صادق کے علاوہ دوسرے معصوم سے بھی روایت کی ہے جیسا کہ ابھی ان کا بیان غیاث بن ابراہیم، وجابر بن یزید، ومحمد بن اسحاق، ومحمد بن مسلم کے بارے میں گزر چکا ہے .

وجہ ۴: کہا گیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ ابن عقدہ نے اس سے اسناد کیا جب ابن عقدہ نے اس کا ذکر کیا تو اس سے روایت نقل کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اولا: جن کو شیخ نے یہ وصف دیا وہ بہت کم ہیں ان کی تعداد ایک سو ساٹھ تک ہے جبکہ ابن عقدہ نے امام صادق کے بہت سے اصحاب کو ذکر کیا تھا جیسا کہ شیخ طوسی نے مقدمہ رجال میں بیان کیا اور علامہ حلی نے ان کی تعداد چار ہزار بیان کی اور ابن عقدہ نے ان سے روایت ذکر کی تھی تو یہ کہنا کیسے ممکن ہے کہ شیخ نے جن کے بارے میں یہ جملہ کہا ان سے ابن عقدہ نے حدیث نقل کی ہو گی۔

ثانیا- شیخ نے مقدمہ کتاب میں تصریح کی ہے کہ ابن عقدہ نے امام صادق کے اصحاب کے علاوہ دیگر معصومین کے اصحاب کو جمع نہیں کیا حالانکہ شیخ نے یہ جملہ امام باقر و کاظم و رضاؑ کے بعض اصحاب کے بارے میں بھی ذکر کیا ہے جیسے حماد بن راشد ازدی، یزید بن حسن، احمد بن عامر بن سلیمان، داود بن سلیمان بن یوسف، عبد اللہ بن علی، محمد بن اسلم طوسی.

خلاصہ یہ ہوا کہ اس جملہ کا شیخ طوسی کے کلام میں کوئی صحیح معنی نہیں ملا اور وہ اپنی مراد کو بہتر جانتے ہیں.

منابع و مآخذ

۱. قرآن کریم ، کلام باری تعالی ۔

۲. نہج البلاغہ ،کلام امام علی امیر المومنینؑ ۔

۳. آشنائی با تاریخ ومنابع حدیثی ،دکتر علی نصیری ، مرکز جھانی علوم اسلامی ،قم،۱۳۸۵ ش۔

۴. آشنایی بامتون حدیث ونہج البلاغہ، شیخ مہدی مھریزی۔مرکز جھانی علوم اسلامی ،قم ۔

۵. الاستبصار فیما اختلف من الأخبار؛محمّد بن حسن «شیخ الطائفۃ» إعداد: سیّد حسن خرسان، طھران: دارالکتب الإسلامیّۃ، ۱۳۹۰ھ، ۴ج، ط۳.

۶. الإرشاد؛ محمّد بن محمّد بن نعمان عکبری بغدادی، «المفید»، قم منشورات مکتبۃ بصیرتی.

۷. کمال الدین وتمام النعمۃ؛ ابوجعفر محمّد بن علیّ بن حسین بن بابویہ قمّی، «الشیخ الصدوق»، تحقیق: علی إکبر غفّاری ،ط قم: مؤسّسۃ النشر الإسلامی، ۲ج.

۸. إیضاح الاشتباہ؛ جمال الدین حسن بن یوسف بن مطھّر، «علامّہ حلّی»، تحقیق: محمّد حسّون، قم: مؤسّسۃ النشر الإسلامی.

۹. بحار الأنوار الجامعۃ لدرر إخبار الأئمّۃ الأطھار(ع)؛ محمّد باقر بن محمّد تقی «علامہ مجلسی»، الطبعۃ الثّانیۃ، بیروت: مؤسّسۃ الوفاء، ۱۱۰ ج.

۱۰. بلغۃ المحدّثین؛ سلیمان بن عبداللہ ماحوزی «محقق بحرانی»، تحقیق : عبدالزہراء عویناتی، طبع مع «معراج اہل الکمال»، مطبعۃ سیّد الشہداء، قم.
۱۱. تدریب الراوی؛ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابوبکر سیوطی، تحقیق ومراجعہ: عبدالوہاب عبداللطیف، بیروت: دارالکتب العلمیّۃ.
۱۲. تعلیقۃ الوحید البہبہانی؛ محمّد باقر بہبہانی، طبعہ حجریہ حاشیہ کتاب «منہج المقال» میرزا محمّد الاسترآبادی، طبع ایران ۱۳۰۷.
۱۳. تقریب التہذیب؛احمد بن علیّ بن حجر عسقلانی، تحقیق وتعلیق وتقدیم: عبدالوہاب عبداللطیف، بیروت: نشر دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر ۱۲ ج.
۱٤. تہذیب الأحکام؛ابوجعفر محمّد بن حسن، «شیخ طوسی»، تحقیق: سیّد حسن موسوی خرسان، بیروت: دار صعب ودار التعارف ۱۰ج.
۱۵. حاوی الأقوال فی معرفۃ الرجال؛عبدالنبیّ بن سعد الدین جزائری اسدی، تحقیق: مؤسّسۃ الہدایۃ باِحیاء التراث، ناشر: ریاض ناصری، ۴ ج.
۱۶. خلاصۃ الأقوال فی معرفۃ الرجال؛جمال الدین حسن بن یوسف بن مطہّر، إعداد: سیّد محمّد صادق بحر العلوم، مکتبۃ الرضیّ ط اُوفسیت عن طبعۃ المطبعۃ الحیدریۃ نجف اشرف.
۱۷. دانش حدیث ،محمد باقر نجف زادہ بار فروش ،مئوسسہ انتشارات جہاد دانشگاہی (ماجد) ،تہران ،۱۳۷۳ ش۔
۱۸. الدرّۃ النجفیّۃ؛یوسف بحرانی، إہتمام: عباسی تاجر طہران: کتابفروشی سبۃ ۱۳۱۴.
۱۹. دفاع عن الکافی ،ثامر ہاشم حبیب ،مرکز الغدیر للدراسات الاسلامیہ ،قم ،۱۴۱۵ھ۔

۲۰. الذریعۃ الی تصانیف الشیعۃ ،شیخ آقا بزرگ تہرانی ،المکتبۃ الاسلامیہ ،تہران۔
۲۱. ذکری الشیعۃ؛ اِبوعبداللہ محمّد بن مّکی عاملی جزّینی «شہید اِول»، قم: مکتبۃ بصیرتی، ط اُوفسیت عن طبعۃ الحجریۃ سنۃ ۱۲۷۱.
۲۲. رجال ابن داود؛ تقی الدین حسن بن علیّ بن داود حلّی، تصحیح: سیّد کاظم موسوی میاموی، نشر طبعۃ جامعۃ طہران ۱۳۴۲۔
۲۳. رجال الشیخ الطوسی؛اِبوجعفر محمّد بن حسن ،مطبعۃ حیدریۃ ، نجف اشرف ،الطبعۃ الُاولی .
۲۴. رجال الکشّی = اختیار معرفۃ الرجال؛ اِبوجعفر محمّد بن حسن طوسی «شیخ الطائفۃ»، تصحیح وتعلیق وتقدیم: حسن مصطفوی، نشر دانشگاہ الہیات ومعارف اسلامی، مشہد المقدسۃ.
۲۵. رجال النجاشی؛اِبو العبّاس اِحمد بن علیّ بن اِحمد بن عبّاس نجاشی اسدی کوفی، نشر: مؤسّسۃ النشر الاِسلامی التابعۃ لجماعۃ المدرسین، قم.
۲۶. رسالۃ اِبی غالب الزراری إلی ابن ابنہ فی ذکر آل اِعین؛اِبوعبداللہ عضائری تحقیق: سیّد محمّد رضا حسینی، نشر مرکز الأبحاث والدراسات الاِسلامیّۃ، قم.
۲۷. الرعایۃ فی علم الدرایۃ؛ زین الدین علیّ بن اِحمد جبعی عاملی، «شہید ثانی»، إخراج وتعلیق وتحقیق: عبدالحسین محمّد علی بقال، نشر مکتبۃ آیۃ اللہ مرعشی، الطبعۃ الُاولی، سنۃ ۱۴۰۸ ق.
۲۸. الرسالۃ العددیۃ؛ اِبوعبداللہ محمّد بن محمّد بن النعمان عکبری بغدادی، قم: نشر المؤتمر العالمی لمناسبۃ ذکری اِلفیۃ الشیخ المفید ضمن مصنفات الشیخ المفید.

۲۹.   الرواشح السماویّۃ فی شرح الأحادیث الإمامیّۃ؛ میر محمّد باقر حسینی مرعشی داماد، قم: نشر مکتبۃ آیۃ اللّٰہ المرعشی.
۳۰.   روضۃ المتقین فی شرح من لا یحضرہ الفقیہ؛محمّد تقی مجلسی، تعلیق: سید حسین موسوی کرمانی وشیخ علی پناہ اشتہاردی، نشر بنیاد فرہنگی اسلامی، ۱۴ مجلد.
۳۱.   السرائر؛ابوعبداللہ محمّد بن منصور بن اِحمد بن إدریس عجلی حلّی، إعداد: مؤسّسۃ النشر الإسلامی، ۳ ج، الطبعۃ الثانیۃ.
۳۲.   عدّۃ الُاصول؛اِبو جعفر محمّد بن حسن، «شیخ الطائفہ»، تحقیق: محمّد مہدی نجف الطبعۃ الُاولی، قم مؤسّسۃ آل البیت(ع) بإحیاء التراث.
۳۳.   علم الحدیث ودرایۃ الحدیث ،کاظم مدیر شانہ چی ،دفتر انتشارات اسلامی ،جامعہ مدرسین ،قم ،۱۳۷۲ ش۔
۳۴.   عوالی اللآلیٔ العزیزیۃ فی الأحادیث الدینیّۃ؛محمّد بن علیّ بن إبراہیم اِحسائی«ابن اِبی جمہور»، تحقیق: آقا مجتبی عراقی، تقدیم؛ آیۃ اللّٰہ المرعشی قم: مطبعۃ سیّد الشہداء ۴ ج.
۳۵.   الفصول الغرویّۃ فی الُاصول الفقہیّۃ؛محمّد حسین بن عبدالرحیم طہرانی حائری، قم: مطبعۃ نمونہ، طبعۃ مجریۃ.
۳۶.   الفقیہ = من لایحضرہ الفقیہ؛ إبوجعفر محمّد بن علیّ بن حسین بن بابویہ قمّی«شیخ صدوق» إعداد: سیّدحسن خرسان، طہران: دارالکتب الإسلامیّۃ، الطبعۃ الخامسۃ، ۴ ج.
۳۷.   الفوائد الحائریۃ؛ محمّد باقر بن محمّد اِکمل بہبہانی «وحید بہبہانی»، تحقیق ونشر: مجمع الفکر الإسلامی، مطبعۃ باقری ۱۴۱۵ ق قم.
۳۸.   فوائد الوحید البہبہانی؛ محمّد باقر بہبہانی، مطبوع ضمن «رجال الخاقانی».

۳۹. الفهرست؛ابوجعفر محمّد بن حسن «شیخ طوسی»، إعداد: سیّد محمّد صادق بحر العلوم، قم: مکتبۃ الرضی، طبع اُوفسیت عن طبعۃ المکتبۃ المرتضویۃ فی النجف الأشرف.
۴۰. الفوائد المدنیۃ؛ محمّد محمّد امین استرآبادی، ایران: دارالنشر لاٴہل البیت(ع)، سنۃ ۱۳۲۱.
۴۱. القوانین المحکمۃ فی الُاصول؛ میرزا ابو القاسم قمی، ۲جلد، طبعۃ حجریۃ.
۴۲. الکافی؛ ابوجعفر محمّد بن یعقوب بن إسحاق کلینی رازی«ثقۃ الاسلام»، تحقیق: علی اکبر غفّاری، بیروت: دار صعب ودار التعارف ۱۴۰۱ق، والطبعۃ الرابعۃ.
۴۳. الکلینی والکافی،عبد الرسول الغفار،موسسۃ النشر الاسلامی ،قم ،۱۴۱۶ھ۔
۴۴. لبّ اللباب؛ محمّد جعفر استرآبادی معروف «شریعتمدار»، تحقیق: محمّد حسین مولوی، عدد ثانی ،مجموعۃ «میراث حدیث شیعہ » التابعۃ لمؤسّسۃ دارالحدیث، قم.
۴۵. لؤلؤۃ البحرین فی الاجازۃ لقرّتی العین؛ شیخ یوسف بن احمد بحرانی، تحقیق: سیّد محمّد صادق بحرالعلوم، قم: مؤسّسۃ آل البیت(ع).
۴۶. مجمع الرجال؛ زکیّ الدین مولی عنایۃ اللہ علیّ قہپائی قم: مؤسّسۃ مطبوعاتی اسماعیلیان.
۴۷. معالم العلماء؛ابوجعفر محمّد بن علی بن شہرآشوب مازندرانی، إعداد: سیّد محمّد صادق بحرالعلوم، المطبعۃ الحیدریۃ، ۱۳۸۰ ق، النجف الأشرف.
۴۸. مفاخر اسلام ،علی دوانی ،مرکز اسناد اسلامی ،تہران ۱۳۷۵ ش۔

۴۹. مقباس الہدایۃ. لعبداللّٰہ المامقانی، تحقیق: محمّد رضا المامقانی، نشر مؤسّسۃ آل البیت (ع) قم ۳ ج.
۵۰. معارج الاُصول؛ نجم الدین اِبوالقاسم جعفر بن حسن ہذلی معروف ‹‹محقق حلّی››، إعداد: محمّد حسین رضوی، مطبعۃ سیّد الشہداء، قم.
۵۱. معراج اہل الکمال إلی معرفۃ الرجال؛محدّث شیخ سلیمان بن عبداللہ ماحوزی، معروف‹‹محقق بحرانی››، تحقیق: سیّد مہدی رجائی، مطبعۃ سیّد الشہداء، سنۃ ۱۴۱۲ ق، قم.
۵۲. منتقی الجمان فی الأحادیث الصحاح والحسان؛ جمال الدین حسن بن زین الدین عاملی، تصحیح: وتعلیق علیّ اِکبر الغفّاری، نشر مؤسّسۃ النشر الاِسلامی، قم ۳ ج.
۵۳. منتہی المقال فی اِحوال الرجال؛محمّد بن إسماعیل مازندرانی معروف‹‹اِبوعلی حائری››، تحقیق: مؤسّسۃ آل البیت (ع) لِاحیاء التراث، قم.
۵۴. منہج المقال فی تحقیق اِحوال الرجال = الرجال الکبیر؛ میرزا محمّد بن علیّ بن إبراہیم استرآبادی، طبعۃ حجریّۃ، ۱۳۰۷ ق، إیران.
۵۵. الملل والنحل؛ اِبوالفتح محمّد بن عبدالکریم بن اِبوبکر اِحمد شہرستانی، تحقیق: محمّد سیّد گیلانی، نشر: دارالمعرفۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، ۲ ج.
۵۶. نقد الرجال،سیّد میر مصطفیٰ حسینی تفریشی (ق ۱۲)، انتشارات الرسول الأعظمؐ، قم.
۵۷. الوافی؛ محمّد محسن‹‹فیض کاشانی››، تحقیق: ضیاء الدین حسینی ‹‹علّامہ››، منشورات مکتبۃ اِمیرالمؤمنین العامۃ سنہ ۱۴۰۶ ق، إصفہان، ۱۷ ج.
۵۸. الوجیزۃ؛ بہاءالدین عاملی‹‹شیخ بہائی››، مطبوع ضمن ‹‹ضیاء الدرایۃ›› سیّد ضیاءالدین، طبع مطبعۃ الحکمۃ، ۱۳۷۸ ق، قم.

۵۹. وسائل الشیعة؛ محمّد بن حسن "حرّ عاملی، تحقیق: مؤسّسة آل البیت(ع) لِاحیاء التراث، قم، ۳۰ مجلد.
۶۰. ہدایة المحدّثین إلی طریقة المحمّدین؛ محمّد اِمین بن محمّد علیّ کاظمی، تحقیق: مہدی رجائی، منشورات مکتبہ آیة اللہ المرعشی قم.

مرکز اشاعت میراث علمی مکتب اہل بیت ؑ

مرکز مذکور نے مناظرہ اور جدل کی بحثوں کو چھوڑ کر محض علمی میراث مکتب اہل بیت کی نشر و اشاعت کا ارادہ کیا ہے ۔اس میں علوم قرآن و تفاسیر شیعہ جسے تبیان طوسی و مجمع البیان طبرسی ، حدیث و علوم حدیث جیسےرجال و درایہ وغیرہ ، نیز کلام و فقہ و اصول فقہ جیسے علوم کی علمی بحثوں کو مدنظر قرار دیا ہے اس میدان میں رجال ابو عمرو کشی، فقہ طوسی ، مفید، سید مرتضی ، اصول مفید ، اور دوسری علمی کتابیں نشر و اشاعت ہوچکی ہیں اور دوسری بہت سی آمادہ ہیں جن کو پیش کیا جائے گا، شیعہ علم رجال کے قواعد اور قوانین کی یہ بنیادی کتاب ہے جو اس مرکز نے تحقیق کے ساتھ قوم و ملت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔